اُردو کی لازوال داستانیں

قِصّہ چہار درویش

PakistaniPoint
www.pakistanipoint.com

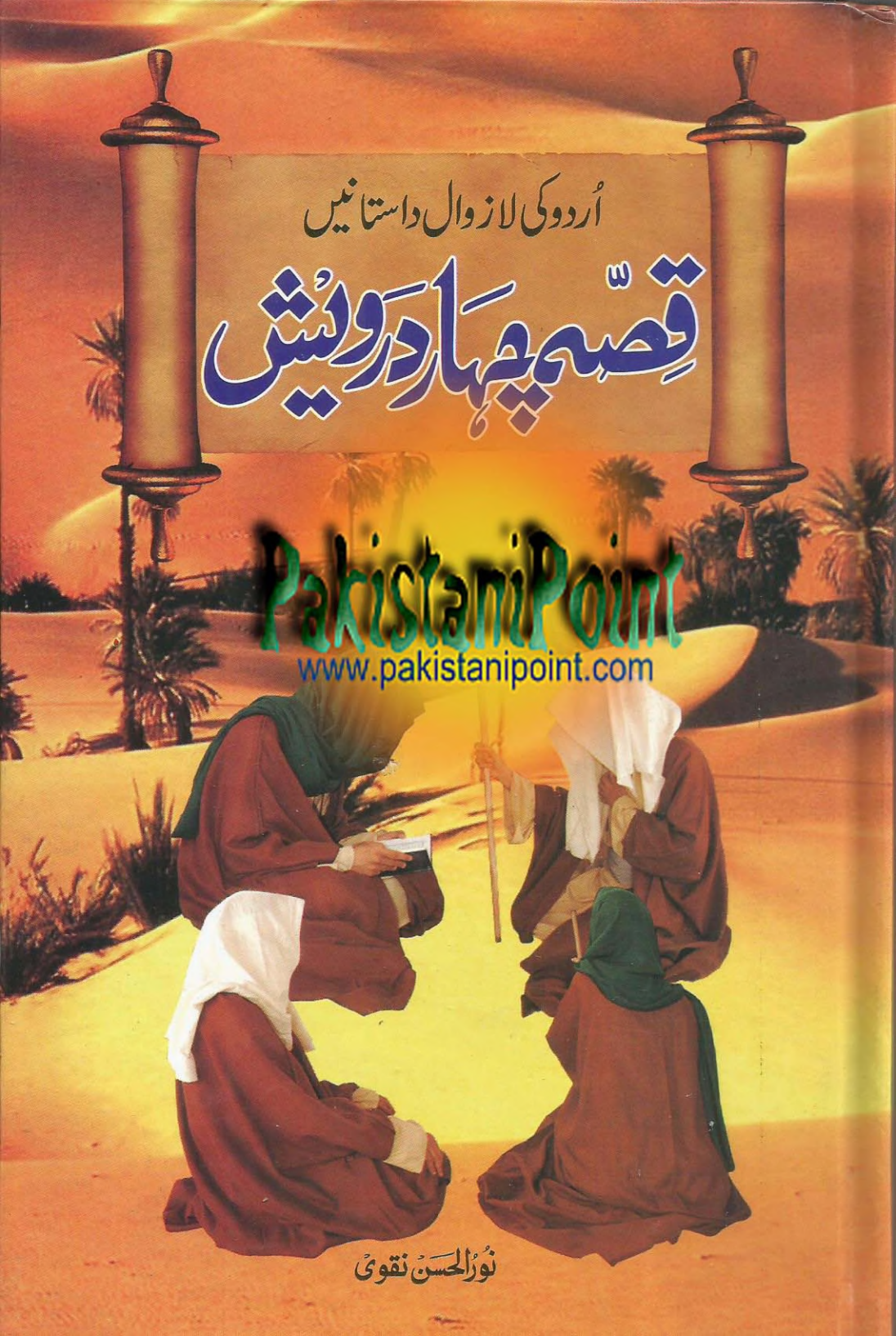

نُورُالحسَن نقوی

جملہ حقوق محفوظ

Qisaa Chahar Durvaish

By Noor ul Hasan Naqvi

کتاب : قصہ چہار دُرویش

مرتب : نورالحسن نقوی

ایڈیٹر : وسیم شیخ

ڈیزائن : فیکٹ کری ایٹو ڈیپارٹمنٹ

قانونی مشیر : تیموری لاء ایسوسی ایٹس 13 فین روڈ لاہور، فون: 04237323202

قیمت : Rs: 250/

www.pakistanipoint.com

Fact Publications aims to promote creative work through book publishing

More details for our publications, Visit at:

www.factpublications.com

We welcome your feed back at:

editor@factpublications.com

بہترین کتاب کی اشاعت کیلئے رابطہ کریں:

042-36374538, 0300-9482775

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
❑	میرا من کون تھا؟	5
❑	کچھ اس کتاب کے بارے میں!	7
❑	مقدمہ، قصہِ چہار درویش کیا ہے؟	11
❑	آغاز قصہ	31
❑	پہلے درویش کا قصہ	37
❑	دوسرے درویش کا قصہ	51
❑	بادشاہ آزاد بخت کا قصہ	64
❑	تیسرے درویش کا قصہ	86
❑	چوتھے درویش کا قصہ	97

www.pakistanipoint.com

میر امن کون تھا؟

میر امن کا اصل نام میر محمد امان اور تخلص امن تھا۔ انہوں نے باقاعدہ شاعری کبھی نہیں کی۔ خود لکھتے ہیں:

''نہ شاعر ہوں میں اور نہ شاعر کا بھائی''

میر امن کے بزرگ ہمایوں کے عہد میں مغلیہ دربار سے وابستہ ہوئے۔ میر امن دہلی میں پیدا ہوئے اور یہیں پروان چڑھے۔ مغلوں کے دور آخر میں جب دلی کو احمد شاہ ابدالی نے تاراج کیا اور سورج مل جاٹ نے لوٹا تو میر امن دلی کو خیر آباد کہہ کر عظیم آباد پہنچے۔ وہاں سے کلکتہ گئے، کچھ دن بے روزگاری میں گزرے۔ بالآخر میر بہادر علی حسینی نے ان کا تعارف فورٹ ولیم کالج کے شعبۂ ہندوستان کے سربراہ ڈاکٹر گل کرائسٹ سے کرایا۔ انہوں نے میر امن کو کالج میں ملازم رکھ لیا اور قصہ چہار درویش (فارسی) کی سلیس نثر میں لکھنے پر مامور کیا۔ چنانچہ ان کی فرمائش پر 1801ء میں باغ و بہار لکھنی شروع کی۔ 1802 میں مکمل ہوئی اور 1803ء میں پہلی بار شائع ہوئی۔ میر امن کی دوسری کتاب گنج خوبی ہے جو ملا حسین واعظ کاشفی کی (اخلاق محسنی) کا ترجمہ ہے۔

www.pakistanipoint.com

کچھ اس کتاب کے بارے میں!

آپ نے دلی کے مشہور بزرگ حضرت خواجہ نظام الدینؒ اولیا کا نام سنا ہوگا۔ جنہیں دلی
لے پیار سے سلطان جیؒ بھی کہتے تھے' کہا جاتا ہے کہ ''ایک بار اُن کی طبیعت خراب ہوئی'
حضرت خواجہ امیر خسروؒ اُن کے مرید اور بڑے عزیز شاگرد تھے۔ اُنہوں نے اپنے پیر کا دل
ہلانے کے لئے ایک قصہ سنایا۔ یہ قصہ تھا چار درویشوں کا۔ حضرتؒ اچھے ہو گئے تو اُنہوں
نے دعا دی کہ جو اس قصے کو سنے شفا پائے۔ اُن کی دُعا سے اس قصے کا گھر گھر چرچا ہونے
لگا۔ جہاں کوئی بیمار ہو' گھر والے یہ قصہ سناتے اور اس کا جی بہلاتے۔ آج بھی اس قصے کو
بھی خاصی مقبولیت حاصل ہے۔''

PakistaniPoint
www.pakistanipoint.com

سچی بات تو یہ ہے کہ قصہ سننا اور سنانا بہت ہی دلچسپ مشغلہ ہے۔ کتنے دن پہلے کی بات
ہے کہ دادی اماں کی گود میں پریوں کی کہانیاں سنتے سنتے سو جایا کرتے تھے اور اگلے دن پھر
بے چینی سے رات ہونے کا انتظار کرتے تھے۔ آخر ان کہانیوں کا خزانہ ایک دن ختم ہو گیا۔
کیونکہ اس بیچاری کو بھی تو بس وہی کہانیاں یاد تھیں' جو اس نے اپنی دادی اماں سے سن رکھی
تھیں۔ آپ نے ایک ایک کہانی کو کئی کئی بار سنا۔ آخر ان کا مزہ جاتا رہا' مگر نئی نئی کہانیاں
سننے کو آج بھی آپ کا دل بے چین رہتا ہے اور یقین کیجئے جب آپ بوڑھے ہو جائیں گے

اور لٹھیا کھٹ کھٹا کر چلنے لگیں گے' قصے کہانی کا شوق تب بھی ایسا ہی رہے گا۔

یہ بات تو ہوئی آج کی دنیا کی جس میں آدمی صبح سے شام تک بھاگ بھاگ کر اپنے کام پورے کرتا رہتا ہے۔ ایک زمانہ وہ بھی تھا' جب لوگوں کو زیادہ فرصت ہوتی تھی۔ اس وقت لوگ لمبے لمبے قصے پسند کرتے تھے۔ ایک بادشاہ نے تو شادی کے لئے عجب شرط رکھی تھی۔ وہ کہتا تھا: ''میں اس لڑکی سے شادی کروں گا' جو ایسا قصہ سنائے کہ وہ کبھی ختم ہی نہ ہو اور جس رات کو قصہ ختم ہو جائے گا' وہی اس کی زندگی کی آخری رات ہو گی۔''

آخر ایک ہوشیار لڑکی شادی کے لئے رضامند ہو گئی اور اس نے قصہ سنانا شروع کیا۔

''ایک راجا تھا' اس نے دو میل لمبا اور دو میل چوڑا ایک حوض بنوایا۔ پھر اُسے باجرے سے بھروا دیا۔ ایک چڑا آیا اور ایک دانہ لے کر اُڑ گیا' دوسرا چڑا آیا اور ایک دانہ لے کر اُڑ گیا۔ پھر تیسرا آیا..... چوتھا..... پانچواں۔'' اب تو بادشاہ کے سر میں درد ہونے لگا۔ ''آخر یہ چڑے کب تک آتے رہیں گے اور دانے لے لے کر اُڑتے رہیں گے؟''

لڑکی نے ہاتھ جوڑ کے عرض کیا: ''جہاں پناہ! جب تک پورا حوض خالی نہ ہو جائے۔''

آپ نے دیکھا اس لڑکی نے کتنی چالاکی سے اپنی جان بچائی۔ بہر حال اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ پہلے کتنے لمبے لمبے قصے پسند کئے جاتے تھے۔ فرصت جو ٹھہری۔ قصے کو لمبا کرنے کی ایک ترکیب یہ کی جاتی تھی کہ ایک کہانی میں دوسری کہانی شروع کر دی جاتی تھی۔ آپ دیکھیں گے کہ ایک فقیر اپنا قصہ سنا رہا ہے' مگر بیچ بیچ میں اور کہانیاں چھڑ جاتی ہیں۔ حاتم طائی کا قصہ تو اس کی بہت ہی عمدہ مثال ہے۔ ایسے قصے کو داستان کہتے ہیں اور ''چار درویشوں کا قصہ'' اسی طرح کی ایک داستان ہے۔

داستان کی دوسری خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ اس میں پیش آنے والے بہت سے واقعات عقل میں نہیں آتے۔ مثلاً جن اور پریاں جگہ جگہ ہیرو کی مدد کرتے ہیں۔ دیوؤں اور

www.pakistanipoint.com

بھوتوں سے بار بار اُسے ٹکر لینی پڑتی ہے' لیکن کسی دعا' کسی سرمے' کسی تعویز یا کسی غیبی امداد سے کامیابی اُسی کی ہوتی ہے اور وہ اس طرح کہ ہیرو کی جیت حق کی جیت ہوتی ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آج سائنس کے زمانے میں ایسی داستانوں کا مطالعہ بچوں کے لئے مفید نہیں ہے۔ لیکن یہ خیال غلط ہے۔ داستانوں کے مطالعے خواب ہیں' جو انسانی تہذیب نے اپنے بچپن میں دیکھے تھے۔ ہم ان خوابوں میں گھومتے پھرتے ہیں اور پھر جاگ کر اپنی اس آج کی دنیا میں لوٹ آتے ہیں۔

کوئی پونے دو سو برس پہلے کی بات ہے کہ انگریز ہندوستان میں قدم جمانے لگے۔ اس وقت انہیں ایک مشکل پیش آئی۔ وہ اس ملک کی بول چال سمجھ نہ پاتے تھے۔ راجا اپنی پرجا کی بات نہ سمجھے تو کام کیسے چلے۔ لہٰذا انگریز افسروں کو ہندوستانی بول چال سکھانے کے لئے ایک کالج قائم ہوا' لیکن دشواری یہ تھی کہ اُردو سکھائیں تو کیسے سکھائیں۔ اُردو کی کتابیں تھیں کہاں۔ چنانچہ کتابیں لکھنے کے لئے دیس کے اچھے اچھے ادیب کلکتے میں جمع کئے گئے۔ ان میں ایک میر امن دلی والے بھی تھے۔ وہ بڑی سیدھی سادی صاف ستھری زبان لکھتے تھے' جیسے کوئی سامنے بیٹھا باتیں کر رہا ہو۔ انہوں نے قصہ چار درویش کو اُردو میں لکھا اور ''باغ و بہار'' نام رکھا۔

باغ و بہار بہت پسند کی گئی اور یہ کتاب پہلے کی طرح آج بھی بہت شوق سے پڑھی جاتی ہے۔ ہم نے اسے آپ کے لئے مختصر بھی کر دیا اور آسان بھی۔ اُس زمانے کے بہت سے الفاظ اور محاورے آج ہمارے اور آپ کے لئے نامانوس ہیں۔ ان کو بھی خارج کر دیا گیا ہے۔

داستان اور ناول کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ آپ ایسے اور دوسرے قصوں کو بھی پڑھیں۔ ایسی کتابیں آپ کے لئے آسان زبان میں تیار کی گئی ہی۔ جب آپ کو زبان

www.pakistanipoint.com

اچھی طرح آ جائے تو اصل کتابوں کا بھی مطالعہ کیجئے۔ ہمیں امید ہے کہ آسان زبان میں کتابوں کا یہ سلسلہ آپ کو پسند آئے گا۔

نورالحسن نقوی

☆☆☆

www.pakistanipoint.com

مقدمہ

قصہ چہار درویش کیا ہے؟

قصہ چہار درویش فارسی زبان کا مشہور قصہ ہے جسے میر امن نے اردو کے قالب میں
طرح ڈھالا کہ یہ قصہ اردو زبان کی بھی لازوال داستان بن گیا۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ
صہ چہار درویش'' فورٹ ولیم کالج کی دین ہے جو انگریزوں کو مقامی زبانوں سے آشنا
نے کے لئے قائم کیا گیا تھا۔ میر امن نے ''قصہ چہار درویش'' جان گل کرائسٹ کی
ش پر میر حسین عطا تحسین کی نوطرز مرصع سے ترجمہ کی۔ اردو میں ترجمے کے بعد میر امن
اس کا نام ''باغ و بہار'' رکھ دیا۔ وگرنہ اس کتاب کا اصل نام ''قصہ چہار درویش'' ہی
۔ ''قصہ چہار درویش'' اردو میں منظر عام پر آئی تو یہ داستان اردو نثر میں ایک سنگ میل
ثیت اختیار کر گئی۔ اس لئے کہ اردو نثر میں پہلی مرتبہ سلیس اور آسان عبارت کا
ج ہوا جو اِسی داستان کی وجہ سے ممکن ہوا۔ آگے چل کر غالب کی نثر نے اسے کمال
پہنچا دیا۔

ردو کی تاریخ کھنگالی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ داستانوں میں جو قبولِ عام باغ (قصہ
رویش) کے حصے میں آیا ہے۔ وہ اردو کی کسی اور داستان کو نصیب نہیں ہوا۔ عوام اور
ں دونوں میں یہ داستان آج بھی اتنی ہی مقبول ہے جتنی آج سے پونے دو سو برس پہلے

www.pakistanipoint.com

تھی۔اس کی غیر معمولی مقبولیت کی سب سے بڑی وجہ اس کا دلکش اور دلنشین انداز بیان ہے جو اسے اردو زبان میں ممتاز مقام عطا کرتا ہے۔

مولوی عبدالحق کا کہنا ہے کہ اردو نثر کی ان چند کتابوں میں باغ و بہار (قصہ چہار درویش) کو شمار کیا جاتا ہے جو ہمیشہ زندہ رہنے والی ہیں اور شوق سے پڑھی جائیں گی۔بقول سید محمد: ''میر امن نے باغ و بہار (قصہ چہار درویش) میں ایسی سحر کاری کی ہے کہ جب تک اردو زبان زندہ ہے، مقبول رہے گی اور اس کی قدر و قیمت میں مرورِ ایام کے ساتھ کوئی کمی نہ ہوگی۔'' بقول سید وقار عظیم: داستانوں میں جو قبول عام ''باغ و بہار'' کے حصے میں آیا ہے وہ اردو کی کسی اور داستان کو نصیب نہیں ہوا۔

باغ و بہار (قصہ چہار درویش) کے مُصنّف میر امن دہلوی چونکہ فورٹ ولیم کالج سے متعلق تھے، اس لئے اس کی تصانیف بھی کالج کے متعینہ مقاصد کے تحت لکھی گئیں اور ان میں وہ تقاضے بالخصوص پیشِ نظر رہے جن کی نشاندہی ڈاکٹر جان گل کرائسٹ نے کی تھی۔ فورٹ ولیم کالج کے لئے جتنی کتابیں تالیف ہوئیں ان میں لکھنے والوں نے سب سے زیادہ توجہ اس بات پر دی کہ کتاب کی زبان سادہ اور سلیس ہو اور بول چال کی زبان اور روزمرہ محاوروں کا خیال رکھا جائے۔ چونکہ اس کا مقصد انگریز نو واردوں کو مقامی زبان و بیان اور تہذیب و معاشرت سے آشنا کرنا تھا۔ اس لئے فورٹ ولیم کالج کے لکھے گئے قصوں میں زبان و بیان پر خاص توجہ دی گئی ہے۔ باغ و بہار (قصہ چہار درویش) کو من جملہ دوسری خوبیوں کے زبان و بیان کے لحاظ سے بھی فورٹ ولیم کالج کی دوسری کتابوں پر فوقیت حاصل ہے۔ باغ و بہار (قصہ چہار درویش) کی اس فوقیت کے پیش نظر کسی کا یہ قول بہت مشہور ہوا کہ میر امن کا اردو نثر میں وہی مرتبہ ہے جو میر کا غزل گوئی میں۔

قصہ چہار درویش کی زبان و بیان

www.pakistanipoint.com

باغ و بہار (قصہ چہار درویش) اپنے وقت کی نہایت فصیح اور سلیس زبان میں لکھی گئی ہے۔ میر امن دہلی کے رہنے والے ہیں اور اُن کی زبان ٹھیٹھ دہلی کی زبان ہے۔ میر امن صرف دہلی کی زبان کو ہی مستند سمجھتے ہیں بلکہ اس کو انہوں نے ہزار رعنائیوں کے استعمال کیا ہے۔

اردو کی پرانی کتابوں میں کوئی کتاب زبان کی فصاحت اور سلاست کے لحاظ سے باغ و بہار (قصہ چہار دُرویش) کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اگر چہ زبان میں کئی تبدیلیاں ہو چکی ہیں۔ الفاظ و محاورات اور فقرات و تراکیب میں مختلف النوع تغیرات آ گئے ہیں۔ اُس وقت کی زبان اور آج کی زبان میں بڑا فرق ہے لیکن باغ و بہار اب بھی اپنی دلچسپی برقرار رکھے ہوئے ہے۔ یہ اعجاز دلکش میر امّن کے طرزِ بیان اور اسلوبِ تحریر کا حصہ ہے۔ میر امن ہر کیفیت اور واردات کا نقشہ ایسی خوبی کے ساتھ کھینچتا ہے اور ایسے موزوں الفاظ استعمال کرتا ہے کہ کمال انشاء پردازی کو داد دینا پڑتی ہے۔ نہ بے جا طول ہے، نہ فضول لفاظی ہے۔

کتاب میں میر امّن نے نہایت سادہ اور دل کش اسلوب بیان اختیار کیا ہے۔ عبارت کی سادگی اور روانی جہاں بجائے خود ایک طرح کا حسنِ لطافت ہے۔ اس میں اس اندیشہ کا امکان بھی کسی وقت نہیں ہوتا کہ یہ سادگی عبارت کو سپاٹ بنا دے اور سادگی کا یہ ہموار تسلسل پڑھنے والے کے لئے اکتاہٹ یا تھکاوٹ کا باعث بن جائے۔ میر امن کی سادگی کی سب سے بڑی خصوصیت یہی ہے کہ وہ پڑھنے والے کے ذہن پر کسی جگہ بھی اکتاہٹ اور تھکاوٹ کا بوجھ نہیں ڈالتی۔ بقول کلیم الدین احمد: ''باغ و بہار کی سادگی سپاٹ نہیں اس میں ناگوار لگی نہیں، یہاں سادگی و پرکاری بیک وقت جمع ہیں۔''

سادگی بیان میں ایک اور خطرہ یہ ہے کہ جس چیز کو سادگی سمجھا گیا ہے، اس کا دامن کبھی بھی عامیانہ پن کے کانٹوں میں الجھ کر رہ جاتا ہے۔ زبان کو سادگی کے دائرے میں رکھنے والے کو ہر وقت یہ خطرہ لاحق رہتا ہے کہ اس کی سادگی پر عمومیت اور بعض صورتوں میں

www.pakistanipoint.com

عامیانہ پن کا سایہ نہ پڑ جائے۔ ہمارے نثر نگاروں میں سے اکثر سے یہ لغزش ہو جاتی ہے۔
سید وقار عظیم ''ہماری داستان'' میں لکھتے ہیں:

''میر امن کے طرز بیان کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اُن کی سادگی ہمیشہ عمومیت سے پاک رہی ہے۔ اس سادگی کی ایک تہذیبی سطح ہے اور میر امن کبھی اس تہذیبی سطح سے نیچے نہیں اترتے۔

ڈاکٹر ممتاز لکھتے ہیں:

''میر امن کے ہاں ہر ایک بیان نہایت کامیاب ہے۔ اس کے پاس الفاظ کا وسیع ذخیرہ بھی موجود ہے اور ہر پھر اس کے استعمال پر یہ قدرت کہ جو لفظ جہاں استعمال کر دیا وہ عبارت کا جزو ناگزیر بن گیا جو صنف کسی موصوف کے لئے استعمال کی، وہ اس کا ایسا حصہ بن کر رہ گئی کہ گویا صرف اسی کے لئے وضع ہوئی تھی۔''

اردو زبان میں فارسی الفاظ و تراکیب، تشبیہات اور استعارات کو بڑا دخل حاصل ہے۔ اس سے فارسی زبان کے اثرات سے بچ کر اردو لکھنا بہت دشوار ہے۔ لیکن میر امن نے اپنی تحریروں میں اعتدال کی روش کو اپنایا ہے۔۔ ان کی زبان کا تجزیہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ اس میں عربی فارسی کے الفاظ کم اور ٹھیٹھ اردو کے الفاظ زیادہ ہیں۔ میر امن بدیسی لفظوں اور چیزوں کی شان و شوکت سے مرغوب ہو کر اپنی مقامی رنگ کو نہیں بھول جاتے۔ قدیم فارسی تشبیہوں کے اور استعاروں کے ساتھ ساتھ اپنے بے تکلف اور لطیف استعارات اور تشبیہات سے بھی انہیں محبت ہے۔ اس لئے انہوں نے بہت سے اشعار برج بھاشا کے نقل کئے ہیں اور کچھ الفاظ ہریانی کے بھی استعمال کئے ہیں۔ مثلاً، کبھو، کدھو، کسو، گزرایاں وغیرہ۔ مقامی الفاظ کے بے تکلف اور لطیف استعمال نے میر امن کے یہاں اخلاقیات کو ادب کا جزو بنا دیا ہے۔ وہ حکمت و دانش کی باتیں اور پند و نصیحت کی باتیں بھی اس خوبصورتی

www.pakistanipoint.com

سے بیان کر جاتے ہیں کہ کانوں کی راہ سیدھی دل پر اثر کر جاتی ہیں۔ بقول سید وقار عظیم:

''میر امن کو لفظوں کے صرف پر قدرت ہے وہ آسان ہندوستانی لفظوں سے مرکبات بنا کر اور ہندوستانی کے معمولی الفاظ استعمال کر کے اپنی بات کا وزن اتنا بڑھا دیتے ہیں کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔''

قصہ چہار درویش روزمرہ محاورہ

کامیاب روزمرہ محاورے کا استعمال عبارت کی رفعتوں میں اضافے کا سبب بنتا ہے۔ میر امن نے اپنی زبان میں روزمرہ محاورے کا پورا پورا خیال رکھا ہے۔ بول چال کے انداز کو تحریری اور گرائمری زبان پر ہر جگہ ترجیح دی ہے۔ اگرچہ میر امن ایک فرمائش کی تعمیل میں اپنی عبارت کو محاوروں سے مزین کر رہے تھے۔ لیکن کمال یہ ہے کہ ان کی بامحاورہ زبان اچھی داستان گوئی کے فطری عمل کی تابع معلوم ہوتی ہے۔ کہانی کی صورت حال اور افرادِ قصہ کی کیفیت کے اظہار نے محاورہ اس طرح پھب کر آتا ہے کہ گویا مقتضائے فطرت یہی تھا۔ اسی وجہ سے کتاب میں اکثر یہ کیفیت نظر آتی ہے کہ محاورہ آپ ہی اپنی شرح بھی ہوتا ہے اور عبارت کو سمجھنے میں کسی وسیلہ کی ضرورت نہیں پڑتی۔

اردو کے ذخیر الفاظ میں اضافہ

میر امن ماہر زبان تھے۔ انہوں نے اردو کو مالا مال کرنے کے لئے نہ صرف مقامی اور عوامی بول چال کے الفاظ استعمال کئے بلکہ کتنے ہی الفاظ اور محاورے تخلیق کر دیے۔ بہت سے الفاظ اور محاورے باغ و بہار کے علاوہ اور کہیں دیکھنے میں نہیں آتے۔ اب اگر کوئی شخص ایک نیا لفظ یا ایک محاورہ وضع کر دے تو اس کے لئے باعثِ فخر ہوگا۔ میر امن نے تو اردگرد گراں قدر نئے الفاظ کا سرمایہ زبان کو عطا کیا ہے۔ ممکن ان میں بعض دلی کے محلوں میں بول چال میں رائج رہے ہوں لیکن پھر بھی میر امن کا یہ احسان تو ہے کہ انہوں ان الفاظ اور

www.pakistanipoint.com

محاوروں کو ادب میں محفوظ کر کے ہم تک پہنچایا ہے۔

میر امن نے زبان کو موثر بنانے کے لئے قواعد زبان لفظوں کی ساخت اور جملوں کی ترتیب میں تفرقات سے گریز نہیں کیا۔ وہ کبھی کبھی لفظوں کی جمع کے استعمال میں بھی تفرقات کرتے ہیں۔ مثلاً امراء کی جگہ امراؤں، سلاطین کی جگہ سلاطینوں وغیرہ۔ میر امن کے ان تفرقات کے متعلق سید وقار عظیم لکھتے ہیں:

"وہ قواعد کے جس اصول سے انحراف کرتے ہیں اس سے عبارت کا آہنگ بھی درست ہو جاتا ہے اور بدلی ہوئی صورت میں لفظ اپنے آس پاس کے لفظوں میں پوری طرح گھل مل جاتا ہے۔"

میر امن کی عبارت میں متروکات بہت ہیں لیکن پھر بھی ان کی عبارت کی روانی اور اُس کا آہنگ کم ہونے کے بجائے بڑھتا ہے اور اس کا مجموعی تاثر ہمیشہ خوشگوار ہوتا ہے۔

میر امن کو اس چیز کا بہت صحیح اندازہ ہے کہ کس موقع پر کون سی بات کس حد تک پھیلا کر اور کس حد تک مختصر کر کے بیان کی جائے کہ وہ تصویر کشی، واقع نگاری، کردار اور سیرت کی مصوری اور افسانوں میں دلچسپی کے مطالبات پورے کر سکے اور اس لئے جہاں اُن کی داستان میں ہمیں واقعات کی تفصیلات ملتی ہیں۔ ایسے موقع بھی بے شمار ہیں کہ انھوں نے اپنی بات کو سمیٹ کر تھوڑے سے لفظوں میں بیان کر دیا ہے۔ میر امن کہانی بناتے وقت یہ بات کبھی نہیں بھولتے کہ بات کتنے لفظوں میں کہنی چاہیے تا کہ بات کا تاثر اور دلکشی برقرار رہ سکے۔ بقول سید وقار عظیم: "میر امن کی عبارت میں ناظر یا سامع کو اپنے اندر جذب کر لینے کی جو خصوصیت ہے اس میں اور بہت سی چیزوں کے ساتھ اس بات کو بھی اہمیت حاصل ہے کہ ہر بات اتنے ہی لفظوں میں کہی جاتی ہے جتنے اُسے موثر اور دل کش بنانے کے لئے ضروری ہے۔"

www.pakistanipoint.com

میر امن تصویروں کو متحرک اور زندہ تصویریں بناتے ہوئے اپنے قارئین کی ذہنی سطح کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ اس میں فکری گہرائیوں کی بجائے فوری پن پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں تا کہ ہر آدمی اس سے لطف اٹھا سکے۔ وہ اس مقصد کے پیش نظر ایسی سادہ تشبیہوں کا استعمال کرتے ہیں کہ جو روزمرہ زندگی سے متعلق ہیں اور اس کے باجود اپنے اندر بڑی ندرت رکھتی ہیں۔ میر امن تشبیہوں کے علاوہ تمثیلوں سے بھی کام لیتے ہیں۔ باغ و بہار (قصہ چہار درویش) چونکہ دہلی کی نمائندہ کتاب ہے اور دہلی کی فطرت میں ایک ملال پایا جاتا ہے اس لئے باغ و بہار کی نثر نے بھی یہ رنگ قبول کیا ہے۔ کتاب کو کوئی بھی صفحہ پڑھنا شروع کر دیجئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کوئی دل میں آہستہ آہستہ نشتر چُھبو رہا ہے۔ لیکن اس سے جو درد پیدا ہوتا ہے اس میں کچھ ایسی مٹھاس اور لذت ہوتی ہے کہ نہ اُسے بیان کرنے کو جی چاہتا ہے اور نہ اس کا بیان ممکن ہے۔

مجموعی طور پر اگر دیکھا جائے تو باغ و بہار (قصہ چہار درویش) ان چند کتابوں میں سے ہے۔ جن کی زبان اور طرز بیان ان کے نفس مضمون سے زیادہ اہم ہے۔ یہ ایک ایسے اسلوب کی نمائندہ ہے جس کی کوئی تقلید نہ کر سکا۔

معاشرت کی عکاسی

باغ و بہار (قصہ چہار درویش) میں دہلوی تہذیب معاشرت کی عکاسی اس خوبصورت اور دلکش پیرائے میں کی گئی ہے کہ اس کے آئینے میں اُس کا دور نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ اس میں اس عہد کی دلی کے اشخاص اور افراد کی چلتی پھرتی اور بولتی چالتی تصویریں دکھائی دیتی ہیں۔ بقول ڈاکٹر سید عبداللہ، ''باغ و بہار میں دلی کی تہذیب بول رہی ہے اس کی تصویریں گردش کر رہی ہیں۔ گویا یہ ایک زندگی کا نقشہ ہے۔''

میر امن کا عہد محمد شاہی روشوں کا عہد تھا۔ دلی کی معاشرت خوشحال، خوش پوش اور خوش

www.pakistanipoint.com

وقت معاشرت تھی۔ تکلف واہتمام اور آرائش وزیبائش اس معاشرے کے تہذیبی امتیاز میں شامل تھی۔ مہمان داریوں اور تقاریب کی اس تہذیب میں ایک خاص وقعت واہمیت تھی۔ شاہی محلات اور درباروں میں بزم آرائیوں کے تذکرے رہتے تھے۔ محفلیں جمتیں اور محفلیں سجتیں یہ سب چیزیں ثروت و دولت مندی کی پیداوار ہوا کرتی ہیں اور ظاہر ہے کہ اس زمانے میں ان چیزوں کی کثرت وافر تھی۔ شاہی درباروں اور نوابوں کی حویلیوں میں کئی قسم کی اشیاء موجود تھیں اور کسی شے کی کمی نہ تھی۔

باغ و بہار (قصہ چہار درویش) سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''ایک دلان میں اس نے لے جا کر بٹھایا اور گرم پانی منگوا کر ہاتھ پاؤں دھلوائے اور دستر خوان بچھوا کر مجھ تن تنہا کو روبرو بکاولی سے ایک تورے کا تورہ چن دیا۔ چار مشقاب، ایک میں یخنی پلاؤ، دوسرے میں قورمہ پلاؤ، تیسرے میں متجن پلاؤ، اور چوتھے میں کوکو پلاؤ اور ایک تاب زردے کی اور کئی طرح کے قلیے دو پیازہ، نرگسی، بادامی، روغن جوش اور روٹیاں کئی قسم کی۔''

دلی کی تہذیبی زندگی کے تمام لوازمات اپنی جزئیات وتفصیلات کے ساتھ میر امن نے موثر انداز میں پیش کئے ہیں۔ دلی کی ضیافتیں، محفلیں اپنے تمام تر ساز وسامان اور آرائش و زیبائش کے ساتھ باغ و بہار کے صفحات میں قدم قدم پر چلتی ہیں۔ مردانہ، زنانہ، لباسوں کی تفصیل، رہن سہن کے طور طریقے موسموں اور میلوں کی تفصیلات، بزم نشاط اور محفل راگ رنگ کے نقشے ساز وسامان وآواز کی جزئیات اور کئی دیگر رسم ورواج ہیں جو دلی کی تہذیب و تمدن اور طرز معاشرت کی خوبصورت اور صاف نقش گری کرتے ہیں۔ ڈاکٹر گیان چند اپنے مقالے میں لکھتے ہیں:

''معاشرت کی مرقع نگاری باغ و بہار کا طرہ امتیاز ہے۔ میر امن نے جس شے کا ذکر کیا

ہے تفصیل کے انبار لگا دیئے ہیں۔ انہوں نے شعوری طور پر اپنی تصنیف میں دلی کی معاشرت کے نقوش کو جا بجا محفوظ کر لیا ہے۔

باغ و بہار میں دلی کی معاشرت کی بڑی بھرپور تصویریں ملتی ہیں۔ قصوں کے مناظر فارس و عجم اور ملک فرہنگ کے ہیں لیکن ان کی معاشرت دلی کے مغل دربار کی ہے۔ بقول مولوی عبدالحق: ''میر امن قصہ روم و شام چین و ایران لکھتے ہیں لیکن جب موقع آتا ہے تو ہمارے مرثیہ گو شاعروں کی طرح آداب و رسوم اپنے ہی دیس کے بیان کرتے ہیں۔''

باغ و بہار نہ صرف دلی کی معاشرت کی آئینہ دار ہے بلکہ اس میں دہلوی ذہن بھی اجاگر نظر آتا ہے باغ و بہار کے محاورے دلی والوں کے ذہنی میلانات کے کامیاب عکاس ہیں۔ ڈاکٹر سید عبداللہ اپنے مضمون ''باغ و بہار کی زندہ نثر'' میں رقم طراز ہیں:

''باغ و بہار ایک تہذیب کی آواز ہے۔ یہ اس زمانے کے ذہنی رجحانات کی آئینہ دار بھی ہے۔ زمانے کے یہ رجحانات باغ و بہار کے محاورات میں اپنا عکس دکھا رہے ہیں۔''

معنوی طور پر میر امن کی داستان نویسی نے اردو ادب میں بعض قابل ذکر اضافے کئے ہیں۔ ان میں سب سے نمایاں واقعیت نگاری کا وہ عنصر ہے جس سے باغ و بہار کی عبارت بھری پڑی ہے۔ جزئیات سے میر امن کو ایک سچے فنکار کی طرح محبت ہے۔ وہ جزئیات کی مدد سے اپنی تصویروں میں زندگی کا رنگ بھرتے ہیں۔

اس سے یہ فائدہ ہوا ہے کہ قصہ چہار درویش ہماری قومی معاشرت کے دورِ آخر کا جیتا جاگتا مرقع بن گیا ہے۔ یہاں شاہ و گدا، امیر و وزیر اور سوداگر اصل بازار میں ہمارے ہزار سالہ معاشرتی پس منظر کے سامنے اٹھتے بیٹھتے اور چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔

باغ و بہار کے یوں تو ایک ایک لفظ میں دہلویت جلوہ افروز نظر آتی ہے لیکن بعض گوشے ایسے ہیں جہاں یہ رنگ بہت واضح نظر آتا ہے۔ خصوصاً پہلے درویش کے قصے میں دہلویت کا

www.mehfilsampoint.com

رنگ اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ موجود ہے۔

باغ و بہار (قصہ چہار درویش) تہذیبی اور تاریخی نقطہ نظر سے بڑی اہم اور دلچسپ کتاب ہے۔ اس کے صفحات پر پھیلا ہوا رنگِ معاشرت محض تخیل کی نادرکاری نہیں بلکہ حقیقت و واقعیت کی خوش بیانی ہے۔

باغ و بہار (قصہ چہار درویش) کے خوبصورت محل، رنگین محفلیں، عظیم الشان دعوتیں، رنگ برنگے مختلف قسم کے کھانے، طرح طرح کے لباس وغیرہ، خواہ تخیل کے رنگین فانوس چڑھے ہوئے ہوں لیکن وہ صاف بتاتے ہیں کہ اُن کا تعلق ہندوستان کی تہذیب اور معاشرت سے ہے۔

میر امن نے باغ و بہار (قصہ چہار درویش) میں جن بزم آرائیوں کی تصویر کشی کی ہے۔ ان میں اُس دور کی گہما گہمی اور ہماہمی کے علاوہ شرفائے دہلی کے اخلاق و کردار کے مرتبے بھی پیش کئے ہیں۔ گفتگو میں شریفانہ لب و لہجہ، حفظ مراتب، نکتہ آفرینی اور رکھ رکھاؤ یہ سب اس عہد کی دلی کے وہ نقوش ہیں جو باغ و بہار میں نمایاں طور پر نظر آتے ہیں باغ و بہار میں جہاں ہمیں اس زمانے کی دہلوی تہذیب کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے۔ وہاں ہمیں اس دور کے عقائد و میلانات، افکار، توہمات کے ساتھ ساتھ ذہنی رجحانات و جذباتی کیفیات کے نقوش بھی آشکار ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔ بقول ڈاکٹر سید عبداللہ: ”باغ و بہار اردو نثر کی پہلی زندہ کتاب ہے۔ کیونکہ اس میں مصنف کی ذات اور اُس کے زمانے کا عکس واضح طور پر دکھائی دیتا ہے۔“

باغ و بہار (قصہ چہار درویش) کا مطالعہ تہذیبی اور تاریخی نقطہ نظر سے بھی بڑی اہمیت و دلچسپی کا حامل ہے۔ ظاہر ہے اس کتاب کے مصنف میر امن کا خاندان پشتوں سے مغلیہ دربار سے وابستہ آرہا تھا۔ جس لئے وہ شاہی خاندان، امراء وزراء اور وہاں کی عام زندگی

www.pakistanipoint.com

سے بھی پوری طرح آگاہی رکھتا تھا اور مجلسی زندگی اور سماجی تقریبوں سے بھی اسے مکمل طور پر واقفیت حاصل تھی۔ باغ و بہار کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں میر امن نے صرف اونچے اور اعلیٰ طبقے کی زندگی کی ہی عکاسی نہیں کی بلکہ اس دور کے عام انسانوں کے کرداروں اور اجتماعی رویوں کی جھلک بھی موجود ہے۔ یعنی باغ و بہار محض میر امن کی ہی نادرہ کاری کا نتیجہ نہیں بلکہ اس میں حقیقت و واقعیت کی خوش بیانی بھی پائی جاتی ہے۔

باغ و بہار، محمد شاہ رنگیلے کے جانشینوں کے اس معاشرے کا عکس ہے کہ جس میں آل تیمور غرق مئے ناب ہو چکی تھی اور امراؤ زادیاں بھی مردوں کی طرح حمام میں نہانے جاتی تھیں۔ یہ کوئی فرضی داستان نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ مغل فرمانروا خود اپنی ایک محبوبہ کے ساتھ حمام میں نہانے گیا اور دونوں ایک ہی جگہ نہائے کیونکہ اس کے ہاں نرینہ اولاد نہ تھی اور مشہور تھا کہ اس حمام میں ایک ساتھ ننگے نہانے سے اولاد نرینہ ہوتی ہے۔

یوں تو باغ و بہار (قصہ چہار درویش) ایک داستان ہے لیکن اس کی حیثیت اردو کے افسانوی ادب میں ایک سنگ میل کی سی ہے اور اسے زبان و ادب کے ایک شاہکار کی حیثیت سے پہچانا جاتا ہے۔ یہ اپنے زمانے کی اجتماعی زندگی کی ایک مکمل دستاویز ہے۔ یہ اپنے عہد کے معاشرے اور تہذیبی احوال و آثار و واقعات و کوائف کا مستند تاریخی ریکارڈ ہے۔ بقول عبدالحق: "مختصر طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ میر امن دہلوی نے اگرچہ باغ و بہار کو ایک داستان کے طور پر پیش کیا ہے۔ جس میں بہت سا حصہ فرضی کرداروں پر مشتمل ہے لیکن اس پوری داستان میں وہ دہلی شہر اپنی پوری توانائیوں کے ساتھ جھلکتا دکھائی دے رہا ہے جو خود میر امن کے دل میں موجود تھا۔

اس قصے کا تمام تر ماحول بھی دلی کا ہے۔ اگر میر امن غیر ممالک کا بیان بھی کرتے ہیں تو وہاں کی تصویر کشی اس انداز سے ہوتی ہے گویا دلی کے کسی محلے کا بیان ہو رہا ہو۔ قصے کے تمام

www.pakistanipoint.com

کردار بھی دہلوی دکھائی دیتے ہیں اور یوں اس پوری داستان میں ہمیں جگہ جگہ دلی کی معاشرت کی جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں۔ بقول گارساں دتاسی ''باغ و بہار کے ہر صفحے پر ایک وہی خصوصیات ملیں گی جو ہمیں اصل ہندوستانی اور خاص کر اسلامی ہندوستانی کو سمجھنے میں بہت کارآمد ہوگی۔''

باغ و بہار کے کرداروں پر نظر ڈالی جائے تو یہاں ہمیں دو قسم کے کردار ملتے ہیں۔ مرد کردار اور نسوانی کردار، بہت سے ناقدین کا خیال ہے کہ مردانہ کرداروں کی کردار نگاری کرتے وقت میر امن کسی فنکارانہ چابکدستی کا مظاہرہ نہیں کر سکے۔ سب سے پہلے ہم داستان کے مرد کرداروں کا جائزہ لیتے ہیں جن میں چاروں درویشوں کے علاوہ آزاد بخت اور خواجہ سگ پرست بھی شامل ہیں۔ چاروں درویش جو کہ کہانی کے ہیرو ہیں، اُن کے بارے گیان چند لکھتے ہیں: ''ان میں شہزادگی کی کوئی علامت نظر نہیں آتی۔ ان کے عشق میں کوئی عظمت، کوئی بلندی اور وقار نہیں۔۔۔۔۔''

پہلا درویش

یمن کے ملک التجار کا بیٹا تھا۔ چودہ سال کی عمر میں یتیم ہو گیا اور پھر اپنی نادانیوں کی وجہ سے اپنی دولت سے ہاتھ دھو بیٹھا اور اس کے دل سے احساس خودی اور اعتماد عمل جاتا رہتا ہے۔ اپنی بہن کے ٹکڑوں پر پلتا ہے، غیرت دلانے پر دمشق روانہ ہوتا ہے وہاں زخمی شہزادی اُسے ملتی ہے جس کا علاج وہ بڑی محنت سے کرتا ہے اور اس کا ہر حکم بجالاتا ہے لیکن شہزادی اس کی پرواہ نہیں کرتی۔ مگر وہ خوشامد کرتا رہتا ہے۔ دراصل خوشامد اس کی عادت بن چکی ہے۔ اس کے عشق میں چھچھورا پن ہے۔ اس کے علاوہ درویش مستقل مزاجی کی صفت سے بھی محروم ہے اس لئے یوسف سوداگر سے بہت جلد متاثر ہو جاتا ہے۔

مختصراً یہ کہ پہلے درویش کے کردار میں مردانگی نام کی چیز نہیں۔ یہ ایک مجہول اور بودا

www.pakistanipoint.com

کردار ہے جو فرمانبرداری، خوشامدی فطرت، عجز و انکساری کے باوجود دوسروں کو متاثر کرنے کی صلاحیت سے عاری ہے۔ منہ میں سونے کا چمچہ لے کر پیدا ہونے والا یہ تاجرزادہ کسی مرحلے پر بھی شخصی وقار، انا پسندی یا خودداری کا مظاہرہ نہیں کرتا۔ اس کوتاہ بینی، کم کوش، نکمے شخص کی شادی شہزادی سے ہو جانا ایک اتفاق ہے۔ مگر جنگل میں اُسکو کھو دینا اس کی بے تدبیری اور ناعاقبت اندیشی اور بدنصیبی کے علاوہ کیا ہو سکتا ہے۔

دوسرا درویش

دوسرا درویش فارس کا شہزادہ ہے۔ چودہ سال کی عمر میں حاتم طائی اس کا آئیڈیل بن جاتا ہے اور وہ زندہ جاوید رہنے کے لئے حاتم طائی کی پیروی شروع کر دیتا ہے۔ شہزادہ مذہبی ذہن رکھتا ہے اور سخاوت اس کے نزدیک روحانی ترقی کا ذریعہ تھی۔ پھر جب ایک فقیر سے بصرے کی شہزادی کا ذکر سنتا ہے تو بصرے روانہ ہو جاتا ہے اور جب شہزادی کو دیکھ لیتا ہے تو اسے اپنا دل دے بیٹھتا ہے۔ لیکن یہ شہزادہ دوسرے شہزادوں کے مقابلے میں اتنا خوشامدی نہیں اور وہ شہزادی کی خطرناک شرط کو بھی فوراً قبول کر لیتا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بہادر، عالی ہمت اور مہم جوئی سے نہیں گھبراتا۔ شہزادہ نیم روز کا راز معلوم کرنے کے بعد اس کے درد کا درماں ڈھونڈنے نکل پڑتا ہے۔ بقول زہرا معین، ''غم جاناں سے غم ہائے دگر تک کا سفر یہ درویش کی آدمیت و انسانیت، ایثار و قربانی اور اس کے کردار کی بلندی پر دلالت کرتا ہے۔ اس کے کردار میں بڑی استقامت ہے۔ وہ اپنی دھن کا پکا ہے۔

تیسرا درویش

ملک عجم کا شہزادہ ہے۔ اپنے والدین کی اکلوتی اور لاڈلی اولاد ہے۔ عاشق زار ہے اور عشق کا زخم خوردہ ہے۔ دوسرے درویشوں کی طرح یہ بھی خوشامدی ہے۔ کہیں کہیں جرات اور ذہانت کا مظاہرہ بھی کرتا ہے۔ مگر عشق کے میدان میں کوئی معرکہ مارنے کی اہلیت سے

عاری ہے۔ اکیلا ہی جب ہرن کا پیچھا کرتا ہے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ ایک مہم جو اور نڈر اور پر اعتماد نوجوان ہے۔ اس کے علاوہ درویش سے جس طرح وہ فرنگ کی شہزادی کا حال معلوم کرتا ہے وہ درویش کی متجسس طبیعت کی عکاسی کرتا ہے۔ شہزادی اور بہزاد خان جب ڈوبنے لگتے ہیں تو وہ انھیں کنارے پر کھڑا دیکھتا رہتا ہے۔ اس لئے درویش عشق کے معاملے میں نکما ہے۔ اس کی محبت میں کوئی وقار نہیں۔ بقول زہر معین ''اس کا کردار کمزور ہے، بے جان اور ڈھیلا ہے۔ ابتداء میں وہ بڑا مہم جو، متجسس اور بے خطر نظر آتا ہے۔ مگر عشق کی مہم میں اس سے کم ہی کوئی ایسا کارنامہ سرزد ہوتا ہے جس کی بنیاد پر اسے عاشقوں کے زمرے میں شامل کیا جائے۔

چوتھا درویش

چین کے بادشاہ کا ولی عہد ہے۔ ناز سے پرورش پائی اور اچھی تربیت ہوئی۔ لیکن بیگمات اور خواصوں کی صحبت میں رہنے کی وجہ سے عقل و شعور سے عاری ہے اور بے باکی اور جوانمردی نام کی کوئی شے اس کے اندر نہیں۔ بلکہ کم ظرفی اور بے وقوفی کے آثار نمایاں ہیں۔ عملی دنیا سے زیادہ خیالی دنیا کا باسی ہے۔ مبارک نامی حبشی غلام پر اسے بے حد اعتبار ہے۔ ہر کڑے وقت اور مشکل مرحلے پر شہزادہ کسی جرات یا استقلال کا مظاہرہ کرنے کی بجائے مبارک حبشی سے رجوع کرتا ہے۔

شہزادہ شکی مزاج بھی ہے اور اپنے جاں نثار غلام پر بھی شک کرنے سے دریغ نہیں کرتا۔ شہزادے کی ناعاقبت اندیشی اس وقت انتہا کو پہنچ جاتی ہے۔ جب وہ ملک صادق جیسے طاقتور جن اور اپنے باپ کے مخلص دوست کے ساتھ جنگ آزما ہو کر شکست سے دوچار ہوتا ہے۔ مختصر یہ کہ چوتھے درویش کی نکیل مبارک حبشی کے ہاتھ میں ہے۔ جو اسکا عقل کل ہے اور جو اس کا واحد سایہ اور سہارا ہے۔

www.pakistanipoint.com

بادشاہ آزاد بخت

آزاد بخت روم کی سلطنت کا تنہا وارث ہے۔ اسے دنیا کی ہر آسائش اور سہولت میسر ہے وہ نیک ہے، عبادت گزار ہے اور سخی ہے۔ ان سب کے باوجود وہ اولاد کی نعمت سے محروم ہونے کی وجہ سے اکثر پریشان رہتا ہے اور چالیس سال کی عمر تک پہنچ کر وہ اقتدار واختیار سے لاتعلق ہو کر گوشہ نشینی اختیار کر لیتا ہے۔ اولاد کے حصول کے لئے جب وہ کسی خانقاہ میں جاتا ہے تو وہاں اُس کی ملاقات درویشوں سے ہوتی ہے جو کہ باری باری ان کو اپنی کہانی سناتے ہیں۔

بادشاہ طبیعت میں عجلت پرست واقع ہوا ہے۔ اسی لئے بغیر جرم ثابت ہوئے اپنے وفادار وزیر کی موت کا حکم دیتا ہے اور بوڑھے سگ پرست سے کم سن شہزادی کی شادی کروانا اگر ایک طرف رحمدلی کا مظہر ہے تو دوسری طرف کم سن شہزادی کے ساتھ جبر وزیادتی کا بھی آئینہ دار ہے۔ آزاد بخت کی داستان میں دوسرے درویشوں کی طرح عشق کا عنصر شامل نہیں ہے۔ اس کی مہم جوئی کی جہت دوسرے درویش کے برعکس مختلف ہے۔ آزاد کا کردار مرکزی ہے اور بنیادی ہے اور قاری کی دلچسپی کا باعث اور زندگی کے زیادہ قریب اور بھرپور ہے۔ بقول سہیل بخاری: ''باغ و بہار کا یہ کردار زندہ جاوید ہے۔''

PakistaniPoint
www.pakistanipoint.com

خواجہ سگ پرست

یہ کردار بہت شریف اور بے وقوف معلوم ہوتا ہے۔ اس میں دنیا داری اور عقل بلکل نہیں ہے۔ اپنے بھائیوں سے دغا پر دغا کھاتا ہے۔ مگر پھر بھی انہیں اپنا خیر خواہ سمجھتا ہے۔ اس کے بھائی شیطان سیرت ہیں۔ اپنے بھائیوں سے دھوکہ کھانے کے باوجود بار بار نیکی کرنا اس کی نیکی وشرافت اور برداشت کی نشانی ہے۔ بھائیوں سے شدید محبت ہے لیکن جب وہ بدلہ لینے پر آتا ہے ایسی سزا دیتا ہے جو کسی نے نہ دیکھی اور نہ سنی۔ اس کے ساتھ

ساتھ قصے کے چار درویشوں کی مانند خواجہ سگ پرست خوشامدی بھی ہے اور زیر باد بھی، سراندیپ کی شہزادی کے سامنے خوشامد کرتا اور گڑگڑاتا ہے لیکن مختصراً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اپنی بہت سی خامیوں کے باوجود چاروں درویشوں سے یہ کردار مختلف اور منفرد ہے۔

نسوانی کردار

میر امن کے کرداروں کے ضمن میں عام تاثر یہ پایا جاتا ہے کہ ان کے مردانہ کرداروں کے مقابلہ میں نسوانی کردار زیادہ جان دار ہیں۔ سید وقار عظیم میر امن کے نسوانی کرداروں کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ''کردار نگاری کے معاملہ میں میر امن نے جو توجہ ہر داستان میں ہیروئن پر صرف کی ہے، اس سے مردوں کے کردار محروم رہے ہیں۔''

باغ و بہار کے نسوانی کرداروں میں ماہ رو، وزیر زادی، سراندیپ کی شہزادی اور بصرے کی شہزادی کے کرداروں کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں میر امن نے ان کرداروں کو کیسے پیش کیا ہے۔

ماہ رو

ماہ رو پہلے درویش کے قصے کی ہیروئن ہے۔ جسے میر امن نے نہایت خوبصورت، پری پیکر اور جاہ و حشم پر نازاں دکھایا ہے۔ احساس برتری کے باعث اس میں ایک تمکنت اور رکھ رکھاؤ ہے۔ لیکن آخر وہ جذبہ عشق کے ہاتھوں مغلوب ہو جاتی ہے تو اس میں قدرے نرمی اور ملائمت پیدا ہو جاتی ہے۔ جونہی وہ عشق میں ناکام ہوتی ہے۔ تو پھر سے بپھری ہوئی شیرنی بن جاتی ہے۔ اس کے مزاج میں تضاد پایا جاتا ہے۔ وہ بیک وقت رحمدل بھی ہے اور قاہر بھی، عشق بھی کرتی ہے۔ اور بدنامی سے بھی خوفزدہ ہے، وہ دانشمند بھی ہے اور جذبہ دل کے ہاتھوں مغلوب بھی۔ وہ مذہب پر یقین بھی رکھتی ہے اور عملی طور پر مذہبی احکام سے انحراف بھی کرتی ہے۔

www.pakistanipoint.com

وزیرزادی

''وزیرزادی'' خواجہ سگ پرست کے قصے کی ہیروئن ہے۔ یہ قصہ بادشاہ آزاد بخت کی زبانی بیان ہوا ہے۔ وزیرزادی کی شادی خواجہ سگ پرست سے اس وقت ہوتی ہے۔ جب اس کے گڑیا سے کھیلنے کے دن تھے اور خواجہ سگ پرست کی عمر پچاس سال تھی۔ لیکن وزیر زادی بادشاہ کا حکم بجالاتے ہوئے شادی کے لئے تیار ہو جاتی ہے۔ وزیرزادی خواجہ سگ پرست کے مقابلہ میں ایک کمسن لڑکی ہے۔ جس کی شادی خواجہ سگ پرست سے کردی جاتی ہے اور وہ اس شادی کو اپنی تقدیر سمجھ کر قبول کر لیتی ہے اور اف تک نہیں کرتی۔ بقول عابدہ حسین، ''عورتوں میں وزیرزادی نے کم عمری میں قربانی اور محبت کی جو مثال پیش کردی، اس کا جواب نہیں۔ خواجہ سگ پرست سے شادی کرنا بھی، قربانی کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے۔

سراندیپ کی شہزادی

سراندیپ کی شہزادی، خواجہ سگ پرست کے قصے کا کردار ہے۔ جسے میرامن نے خالص ہندوستانی مزاج کا حامل، ہندو راجکماری کے روپ میں دکھایا ہے۔ وہ کھلے ماحول کی پروردہ ہے۔ جہاں پردہ کرنے کا رواج نہیں۔ وہ مردوں کی طرح آزادنہ جنگلوں میں گھومتی اور شکار کرتی پھرتی ہے۔ میرامن نے اس کا تذکرہ یوں کیا ہے:

''وہاں کے بادشاہ کی ایک بیٹی تھی، نہایت خوبصورت، صاحب جمال، اکثر بادشاہ اور شہزادے اس کے عشق میں مبتلا تھے۔ وہاں رسم حجاب نہ تھی، اس لئے وہ لڑکی تمام دن ہم جولیوں کے ساتھ سیر و شکار کرتی پھرتی۔''

بصرہ کی شہزادی

بصرہ کی شہزادی، دوسرے درویش (شہزادہ فارس) کی محبوبہ ہے جو آخر میں اس کی بیوی

www.pakistanipoint.com

بن جاتی ہے۔شہزادی کی چھ بہنیں تھیں۔ایک روز بادشاہ نے انہیں کہا کہ خدا کا شکر کرو کہ تم شہزادیاں ہو۔اگر میں بادشاہ نہ ہوتا تو تم بھی شہزادیاں نہ ہوتیں۔یہ سارا کروفر میرے ہی طفیل ہے۔ان میں سے ایک (زیرتذکرہ) شہزادی، جو مذہب پر پورا یقین رکھتی ہے۔اس بات کی قائل تھی کہ جو کچھ ہوتا ہے تقدیر کے تابع ہوتا ہے۔اس نے اپنے باپ (بادشاہ) کے اس بات کو مسترد کر دیا اور سب کچھ تقدیر اور اللہ کی دین قرار دیا۔جس کے جواب میں شہزادی کو جنگل میں چھوڑ دیا گیا۔جہاں وہ صبر و شکر کرتی، مصروف عبادت رہتی۔اس کو ایک دن بزرگ نے جھونپڑی بنانے کے لئے زمین کھودنے کا کہا تو خدا کی قدرت سے ایک مدفون خزانہ مل گیا جس سے اُس نے ایک محل تعمیر کروایا۔باپ کو معلوم ہوا تو اُس نے توبہ کی۔باپ کے بعد یہی شہزادی جانشین ہوئی۔میر امن نے اسے نہایت سخی، مہمان نواز، سلیقہ شعار، ہوشیار، چالاک، معاملہ فہم، پر تمکنت اور باوقار دکھایا ہے۔اسی شہزادی کی سخاوت کا شہرہ سن کر پہلا درویش اس کی زیارت کے لئے آیا اور اس کی ایک جھلک دیکھ کر اس پر فریفتہ ہو گیا۔

پہلے درویش کی بہن

میر امن نے اس کردار میں مکمل طور پر ایک مکمل ہندوستانی عورت کی عکاسی کی ہے جو کہ اپنے بھائی کی محبت سے سرشار ہے اور اُس کی ہر ممکن مدد کرتی ہے اور جب پہلا درویش سب کچھ لٹا کر اپنی بہن کے پاس آتا ہے تو وہ خوشدلی سے اُس کا استقبال کرتی ہے اور اس کا ہر لحاظ سے خیال رکھتی ہے اور بعد میں اُس کی بہن اُس کو غیرت بھی دلاتی ہے اور اُسے عمل کی طرف مائل کرتی ہے کہ وہ کب تک ایسے ہی بہن کے ٹکڑوں پر پڑا رہے گا۔اُسے کچھ کرنا چاہیے۔اگر دیکھا جائے تو یہ کردار ایک ہندوستانی ''بہن'' کی ایک مکمل اور خوبصورت تصویر ہے۔

www.pakistanipoint.com

کٹنی کا کردار

ضمنی کردار ہونے کے باوجود میرامن نے کٹنی کے کردار میں کمال کر دکھایا ہے اور ہمارے سامنے ''بی جمالو'' قسم کی تصویر آنکھوں میں آجاتی ہے۔اس کردار کی تصویر کشی کرنے میں میرامن نے نہایت چابکدستی سے کام لیا ہے۔کٹنی کی زبان پر غور کیجئے، یہ وہی دلی والی عورتوں کی زبان ہے۔

مجموعی طور پر اگر دیکھا جائے تو میرامن کے نسوانی کردار زیادہ بہتر اور خوبصورت ہیں۔ انہوں نے خوشی اور غم کے موقع پر عورتوں کا لب ولہجہ اختیار کیا ہے۔کہ وہ کیسے دعائیں دیتی ہیں اور کیسے غصہ کا اظہار کرتی ہیں۔اس کے علاوہ انھوں نے عورتوں کی مکالمہ نگاری پر بھی خوب توجہ دی ہے۔اس لئے مردوں کے مقابلہ میں عورتوں کے مکالمے زیادہ کامیاب ہیں۔

وسیم شیخ

لاہور

www.pakistanipoint.com

''باغ و بہار'' یا ''قصہ چہار درویش'' کا پورا خلاصہ اور منظر و پس منظر آپ نے پڑھ لیا۔ لیکن مسئلہ یہ تھا کہ ''باغ و بہار'' (قصہ چہار درویش) میں اتنی مشکل اردو کے الفاظ استعمال کئے گئے تھے جو آج کل کی نئی نسل کی سمجھ سے باہر تھے۔ اس لئے ضرورت محسوس کی گئی کہ اس کتاب کو دوبارہ آسان اردو کے قالب میں ڈھالا جائے۔ ایسی آسان فہم اردو جو بڑوں کے علاوہ بچوں کی سمجھ میں بھی آسکے۔ اس ضرورت کو نورالحسن نقوی نے محسوس کیا اور اس مشکل کتاب کو اس طرح آسان اردو کے قالب میں ڈھالا کہ واقعی بچوں اور بڑوں کے لئے اردو کی ایک معیاری داستان کو سامنے لانے کا حق ادا کر دیا۔ اُمید ہے کہ یہ کتاب بچوں میں بھی اُتنی ہی مقبول ہوگی جتنی برسہا برس سے بڑوں میں ہے۔

اب آپ کتاب پڑھیں اور اپنی رائے سے نوازیں۔

پبلشر

www.pakistanipoint.com

آغاز قصہ

کہتے ہیں کسی زمانے میں ملک روم میں ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ اس کا نام آزاد بخت تھا۔ اس کی حکومت میں ساری رعایا خوش حال تھی۔ خزانہ بھرا ہوا تھا۔ سپاہی وقت پر تنخواہ پاتے تھے' غریب غرباء چین کی زندگی بسر کرتے تھے۔ ہر گھر خوشیوں سے آباد تھا۔ ہر دن عید اور ہر رات شب برأت تھی۔ چور چکار' جیب کترے' اٹھائی گیرے کسی کا نام ونشان تک نہ تھا۔ ہر طرف امن وامان تھا۔ ساری ساری رات گھروں کے دروازے کھلے رہتے تھے۔ دکانیں بند نہ ہوتی تھیں' مگر کہیں سے تنکا جو غائب ہو جائے۔ مسافر سنسان جنگل میں سونا اُچھالتے چلے جاتے تھے اور بال بیکا نہ ہوتا اور خدا کا شکر ادا کرتا تھا اور خدا کا شکر کیوں نہ ادا کرتا' اللہ کے کرم سے اس کی سلطنت دور دور تک پھیلی تھی۔ دنیا کا ہر عیش وآرام موجود تھا۔ اللہ نے سب کچھ دیا تھا' مگر یہ بھرا پرا گھر بے چراغ تھا' یعنی اس کے کوئی بیٹا نہ تھا۔ اس لئے اکثر اُداس رہتا تھا اور پانچوں وقت نماز کے بعد دعا کرتا تھا کہ ''اے کریم! کرم کر اور اس اندھیرے گھر کو روشن کر دے۔ بس یہ ارمان ہے کہ میرے بعد کوئی نام لیوا تو ہو۔ اے خدا تیرے خزانے بے حساب ہیں۔ مجھے اپنے خزانے سے مالا مال کر دے' تو مجھے ایک جیتا جاگتا بیٹا دے دے' تو میرا نام اور اس سلطنت کا نشان قائم رہے۔''

www.pakistanipoint.com

اللہ کے کرم سے آس تھی کہ جس نے اور سب کچھ دیا ہے' بیٹا بھی دے گا۔ اسی میں چالیس سال کی عمر ہو گئی۔ ایک دن اتفاق سے آئینے پر نظر پڑ گئی۔ مونچھوں میں ایک سفید بال چاندی کے تار کی طرح چمکتا ہوا دکھائی دیا۔ دل ڈوبنے لگا' آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ٹھنڈی سانس بھر کر سوچنے لگا۔ بڑھاپا دروازے پر دستک دے رہا ہے۔ وہ دن جو سب کو پیش آنا ہے' اب قریب ہی ہے۔ دنیا کے لالچ میں کیا کیا خاک چھانی' ملکوں کو تباہ کر کے اپنی حکومت کو چاروں طرف پھیلایا۔ اب یہ ملک کس کام آئے گا۔ اس دولت کو اب کوئی اور ہی اُڑائے گا۔ اگر کچھ دن جیا بھی تو جسم کی طاقت روز بروز گھٹتی ہی جائے گی۔ اب تو یہ اُمید بھی نہیں کہ اس تخت و تاج کا کوئی وارث پیدا ہو۔ آخر ایک روز مرنا ہے اور یہ سب کچھ یہیں چھوڑ جانا ہے۔ بہتر ہے کہ ابھی سے سب کچھ تج دو اور زندگی کے باقی دن اللہ کی یاد اور اس کی عبادت میں گزار دوں۔

دل میں یہ بات طے کر کے سب درباریوں سے کہلوا دیا کہ آج سے کوئی میرے پاس نہ آئے۔ ہاں سب دربار عام میں جمع ہو جایا کریں اور مستعدی سے اپنے اپنے کام میں مشغول رہیں۔ یہ کہہ کر بادشاہ ایک اکیلے مکان میں جا بیٹھا اور اللہ کی عبادت میں گم ہو گیا۔ ہر وقت اپنے گناہوں کو یاد کر کے روتا' آہیں بھرتا اور اللہ سے معافی مانگتا۔ رفتہ رفتہ سارے ملک میں یہ خبر پھیل گئی کہ بادشاہ نے تخت تاج چھوڑ دیا ہے۔ اب انہیں اللہ اللہ کرنے کے سوا کوئی کام نہیں۔ یہ سننا تھا کہ دشمنوں نے سر اُٹھایا۔ ملک کے جس حصے پر جس نے چاہا، قبضہ جما لیا۔ چاروں طرف ابتری پھیل گئی۔ آخر کار سارے درباری اور عہدے دار جمع ہو کر صلاح مشورہ کرنے لگے۔

بہت سوچ بچار کے بعد طے پایا کہ وزیر تجربہ کار اور عقل مند ہے' نام بھی اس کا خردمند ہے' اس کے پاس چلنا چاہیے۔ شاید وہ کچھ تدبیر کرے۔ سب مل کر اس کے پاس پہنچے اور

www.pakistanipoint.com

سارا حال کہہ سنایا۔ وزیر بادشاہ کا پرانا خادم' نمک حلال بھی تھا اور ہوشیار بھی۔ بولا کہ "بادشاہ نے ملنے سے منع کیا ہے' مگر چلو میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ ضروری ہے کہ سارا ماجرا انہیں سنایا جائے۔"

وزیر یہ کہہ کر سب کو اپنے ساتھ دیوان عام تک لایا اور ان کو وہیں چھوڑ کر خود دیوان خاص تک پہنچا۔ بادشاہ کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ غلام قدم بوسی کے لئے حاضر ہوا ہے۔

بادشاہ تک پیغام پہنچا تو سوچ میں پڑ گیا' مگر خیال آیا کہ پرانا خادم اور وفادار ہے' ساتھ ہی بہت ہوشیار ہے۔ ممکن ہے کوئی ضروری کام ہو' لاؤ مل لو۔

وزیر اندر پہنچا تو دیکھا عجب حال ہے' کئی روز کے رونے سے اور دن رات کی عبادت سے بادشہ دُبلا ہو گیا ہے۔ ہر وقت کے رونے سے آنکھوں کی رونق جاتی رہی ہے۔ چہرہ پیلا پڑ گیا ہے۔ وزیر دوڑ کر قدموں میں جا گرا۔

بادشاہ نے محبت سے سر اُٹھایا اور کہا: "تم مجھے دیکھنے کے لئے بے چین تھے' سو دیکھ لیا' اب جاؤ۔ مجھے اللہ اللہ میں وقت گزارنے دو۔ تم حکومت کا کاروبار سنبھالو۔"

یہ سننا تھا کہ وزیر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ آخر ہاتھ جوڑ کر عرض کیا کہ "سرکار! جب سے آپ نے حکومت کے کاموں سے ہاتھ اُٹھایا ہے' ملک میں کہرام مچ گیا ہے۔ ہر طرف ابتری پھیلی ہے۔ آپ کے غلاموں کو یہ تو معلوم ہونا چاہیے کہ آخر آپ نے ایسا کیوں کیا؟"

بادشاہ نے کہا: "اے خردمند! سن' میں اب تک حکومت کے کام کاج اور حکومت کو پھیلانے میں لگا رہا۔ ساری عمر اسی دردسر میں کٹ گئی۔ اسی میں بوڑھا ہو گیا۔ بال سفید ہو گئے۔ اب موت کے دن نزدیک ہیں۔ آج تک اللہ نے ایک بیٹا نہ دیا۔ اس سے میرا جی چھوٹ گیا۔ اس لئے دنیا سے منہ موڑا۔ سوچا ہے اب کسی کو منہ نہ دکھاؤں گا اور دنیا کے

www.pakistanipoint.com

بکھیڑوں میں نہ پڑوں گا۔ زندگی تو نہ سنور سکی' کم سے کم مرنے کے بعد تو چین ملے۔"

یہ کہہ کر بادشاہ نے ایک آہ بھری اور چپ ہو گیا۔

یہ سن کر خردمند بولا: "اللہ کے کرم سے مایوس نہیں ہونا چاہیے' جس نے اتنی مخلوق کو پیدا کیا۔ اس کے لئے آپ کو ایک بیٹا دینا کیا مشکل ہے؟ میں آپ کے والد کے زمانے سے وزیر ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ اس حکومت کو مضبوط کرنے میں آپ کے بزرگوں نے کتنی محنت کی ہے۔ اس وقت ذرا سی نادانی سے ساری حکومت ملیامیٹ ہو جائے گی۔ سارا ملک تباہ ہو جائے گا۔ قیامت کے دن خدا پوچھے گا کہ تجھے بادشاہ بنا کر ساری رعایا کے جان و مال کی حفاظت تجھے سونپی تھی' تو نے ہماری رحمت سے مایوس ہو کر اس فرض کو بھی بھلا دیا۔"

"اس وقت ساری زندگی کی عبادت بھی کام نہ آئے گی۔ غلام کی بے ادبی معاف ہو' گھر سے نکل جانا اور جنگل جنگل پھرنا جوگیوں اور فقیروں کا کام ہے' بادشاہوں کا نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ آپ اپنے کام میں لگیں۔ ساتھ ساتھ ہر وقت اللہ سے لو لگائیں۔ دن کو رعایا کے لئے انصاف کریں' رات کو عبادت کریں۔ اس کے علاوہ محتاجوں کی مدد کریں' یتیموں اور بیواؤں کو سہارا دیں۔ سب کے دل سے دُعا نکلے گی اور اللہ نے چاہا تو آپ کی مراد پوری ہو گی۔"

وزیر کی ان باتوں سے ڈھارس بندھی تو بادشاہ نے فرمایا: "تم جو کہتے ہو، یہ بھی کر دیکھیں' آگے جو اللہ کی مرضی ہے سو ہو گا۔" پھر پوچھا: "یہ تو بتا امیروں اور درباریوں کا کیا حال ہے؟"

وزیر بولا: "سب آپ کے جان و مال کو دُعا دیتے ہیں۔ آپ کی وجہ سے سب پریشان ہیں' دربارِ عام میں جمع ہیں۔ ذرا صورت دیکھ لیں تو تسلی ہو۔"

بادشاہ نے وعدہ کیا کہ "ہم کل دربار لگائیں گے۔ سب سے کہو حاضر رہیں۔"

اگلے دن بادشاہ نے دربار لگایا۔ خوب نقارے بجے۔ سب درباریوں نے نذر دی اور

www.pakistanipoint.com

مبارکباد پیش کی۔ ملک کے ہر آدمی کو سچی خوشی نصیب ہوئی۔ دوپہر کو دربار سے اُٹھ کر بادشاہ نے آرام کیا۔ پھر کتاب پڑھی' وظیفہ پڑھا اور اللہ سے اپنے کام کے لئے دُعا مانگی۔

ایک دن اس کتاب میں لکھا دیکھا کہ "کوئی فکر ہو اور اس کے لئے آدمی کچھ کر نہ پائے تو اس کام کو اللہ کے حوالے کر دے۔ اپنے سکون کے لئے قبرستان میں جائے اور دیکھے کہ کیسے کیسے شان و شوکت والے اس دنیا میں آئے۔ آخر خاک میں مل گئے۔"

یہ بات بادشاہ کے جی کو لگی' مگر سوچا کہ بھیڑ بھاڑ میں بادشاہوں کی طرح جانا مناسب نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ رات کو بھیس بدل کر قبرستان میں یا کسی پہنچے ہوئے فقیر کے تکیے میں جایا کروں۔

چنانچہ رات کو پرانے کپڑے پہن کر قلعے سے نکلے اور قبرستان میں پہنچ گئے۔ اس وقت زور کی ہوا چل رہی تھی۔ اچانک بادشاہ کو دور سے ایک شعلہ سا نظر آیا جو صبح کے ستارے کی طرح چمک رہا تھا۔ سمجھ گئے کہ آندھی میں یہ چراغ حکمت سے خالی نہیں۔ ہو نہ ہو یہ کسی ولی کا چراغ ہے۔ اس کے پاس چلنا چاہیے۔ شاید اس روشنی کے نور سے میرے گھر کا چراغ بھی روشن ہو جائے اور دل کی مراد ملے۔ جب نزدیک پہنچے تو دیکھا کہ چار فقیر گلے میں لمبی لمبی کرتیاں ڈالے گھٹنوں پر سر دھرے خاموش بیٹھے ہیں' جیسے کوئی مسافر اپنے وطن سے بچھڑ کر اور بے سہارا ہو کر اداس بیٹھا ہو۔ پاس ہی پتھر پر ایک دیا پڑا ٹمٹما رہا ہے' مگر حیرت ہے کہ ہوا سے گل نہیں ہوتا۔

اب تو بادشاہ آزاد بخت کو یقین ہو گیا کہ تیری مراد کا سوکھا درخت انہیں کی برکت سے ہرا ہو کر پھلے گا۔ ارادہ کیا کہ قدم آگے دھرے' مگر عقل نے سمجھایا کہ اے بیوقوف جلدی نہ کر۔ ذرا دیکھ لے' کیا خبر یہ دیو ہوں یا جن ہوں یا بھوت ہوں اور آدمی کی شکل بنا کر یہاں مل بیٹھے ہوں۔ یہیں کونے میں چھپ کے بیٹھ جا اور دیکھ کہ کیا بھید ہے۔

www.pakistanipoint.com

اتنے میں ایک فقیر کو چھینک آئی تو سب چونک پڑے۔ چراغ کی لو کو ذرا اوپر کیا۔ الاؤ تو جل ہی رہا تھا۔ حقے بھرے اور اپنے اپنے بستروں میں بیٹھے گڑگڑانے لگے۔ ان میں سے ایک بولا: ''دوستو! ہم چار صورتوں کو آسمان کی گردش سے مدتوں دُنیا جہان کی ٹھوکریں کھانی پڑیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس کے کرم سے آج ہم سب یہاں مل بیٹھے۔ کل کا حال معلوم نہیں کہ ایک جگہ رہیں یا جدا ہو جائیں۔ رات بڑی پہاڑ ہوتی ہے' بہتر ہے کہ سب وہ ساری باتیں سنائیں جو ہم پر بیتی ہیں' مگر جھوٹ اس میں رتی بھر نہیں ہونا چاہیے۔ اس طرح باتوں باتوں میں رات کٹ جائے گی۔ تھوڑی دیر ذرا سو لیں گے۔''

سب نے کہا: ''آپ نے ٹھیک کہا۔ بہتر ہے کہ پہلے آپ اپنا احوال سنائیں۔''

☆☆☆

www.pakistanipoint.com

پہلے درویش کا قصہ

پہلا درویش سنبھل کر بیٹھ گیا اور اپنی سیر کا قصہ اس طرح بیان کرنے لگا۔

"دوستو! میں یمن کا رہنے والا ہوں۔ میرا باپ بڑا سوداگر تھا۔ خواجہ احمد اس کا نام تھا۔ اس کے دو اولادیں ہوئیں۔ ایک تو یہی فقیر جو آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔ دوسری ایک بہن جس کی میرے باپ نے اپنے جیتے جی ایک سوداگر بچے سے شادی کر دی تھی۔ گھر میں دولت بے حساب تھی۔ میرے باپ نے بڑے چاہ اور لاڈ پیار سے مجھے پالا پوسا۔ میں نے ہوش سنبھالا تو اللہ کے حکم سے ماں باپ دونوں ایک ہی سال میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔

اس حادثے کا مجھے بڑا دکھ ہوا۔ دن رات رویا کرتا۔ آخر چالیسواں ہوا اور باپ کی پگڑی میرے سر بندھی۔ میں نے کاروبار سنبھالا تو بے حساب دولت دیکھی۔ جی میں آیا ذرا شان کی زندگی گزار۔ چنانچہ دیوان خانے کی تیاری کا حکم دیا۔ دیوان خانہ سجا اور محفل جمی تو مفت خوروں اور خوشامدیوں نے آ گھیرا۔

میں ان کی باتوں میں آ گیا۔ شراب، ناچ اور جوئے کی لت پڑ گئی۔ خوب اللے تللے خرچ کیا۔ نوکروں نے الگ لوٹ مار مچائی۔ ایسے میں قارون کا خزانہ ہوتا تو بھی خالی ہو جاتا۔ آخر جسم پر ایک لنگوٹی رہ گئی۔ اب تو یار دوستوں نے بھی منہ پھیر لیا۔ ناچار بے حیائی کا پردہ

منہ پر ڈال کر یہ طے کیا کہ بہن کے پاس چل' لیکن شرم یہ آتی تھی کہ اس کے ساتھ کبھی کوئی سلوک نہ کیا۔ اُسے خود تو کبھی کیا خط لکھتا۔ باپ کے مرنے پر اس نے دلاسے کا خط لکھا تو میں نے جواب تک نہ دیا' مگر مرتا کیا نہ کرتا۔ ڈھیٹ بن کر اس کے گھر جا پہنچا۔

وہ ماں جائی میرا یہ حال دیکھ کر بہت روئی۔ بلائیں لیں۔ مجھ پر سے صدقے وارے۔ پھر پوچھا: ''بھیا! یہ کیا حال بنا لیا ہے۔''

میں کیا جواب دیتا۔ آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا کے چپ ہو گیا۔ اس نے کپڑے دیئے' رہنے کو اچھی جگہ کا بندوبست کیا۔ عمدہ عمدہ کھانے کھلائے۔ اس طرح کئی مہینے بڑے آرام سے کٹ گئے۔

ایک دن بہن میرے پاس آئی' کہنے لگی: ''بھیا! تو میری آنکھوں کی پتلی اور ماں باپ کی موئی مٹی کی نشانی ہے۔ تیرے آنے سے میرا کلیجا ٹھنڈا ہوا۔ جب تجھے دیکھتی ہوں' باغ باغ ہوتی ہوں' لیکن مردوں کو خدا نے کمانے کے لئے بنایا ہے۔ نکھٹو مردوں کو لوگ طعنے دیتے ہیں۔ چھوٹے بڑے سب کہیں گے کہ باپ کی دولت کھا پی کر بہنوئی کے ٹکڑوں پر آ پڑا۔ اس میں جگ ہنسائی ہو گی۔ باپ کے نام کو لاج لگے گی' نہیں تو میں اپنے چمڑے کی جوتیاں بنا کر تجھے پہناؤں۔ میں اشرفیاں دیتی ہوں' تجارت کا سامان خرید' سوداگروں کا ایک قافلہ دمشق کو جا رہا ہے' تو بھی ساتھ چلا جا۔''

مجھے بہن کا یہ مشورہ پسند آیا۔ سامان خرید کر ایک تاجر کے حوالے کیا۔ وہ جہاز سے روانہ ہوا۔ میں نے خشکی کے راستے چلنے کی تیاری کی۔ بہن نے مٹھائی اور پکوان میرے ساتھ کئے۔ امام ضامن کا روپیہ میرے بازو پر باندھا۔ دہی کا ٹیکا ماتھے پر لگا کر آنسو پی کر بولی:

''بھیا' تمہیں خدا کو سونپا۔ جیسے پیٹھ دکھاتے جاتے ہو' اسی طرح جلد اپنا منہ دکھائیو۔''

میں اس سے رخصت ہو کر گھوڑے پر سوار ہوا اور دو منزل کی ایک منزل کرتا ہوا دمشق کے

www.pakistanipoint.com

پاس جا پہنچا۔

شہر کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔ کافی رات ہو چکی تھی۔ اس لئے دربانوں نے دروازہ نہ کھولا۔ میں نے منت کی تو الٹا ڈانٹ دیا۔ میں نے مایوس ہو کر گھوڑا شہر پناہ کی دیوار کے نیچے باندھ دیا اور خود رات کاٹنے کو اِدھر اُدھر ٹہلنے لگا۔ کوئی آدھی رات بیتی ہوگی کہ چاروں طرف سناٹا چھا گیا۔ ایسے میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک صندوق قلعے کی دیوار سے نیچے چلا آ رہا ہے۔ بڑا تعجب ہوا کہ یہ کیا بھید ہے۔ کیا اللہ نے میری حالت کو دیکھتے ہوئے غیب سے خزانہ بھیجا ہے۔

صندوق زمین پر آ ٹکا تو میں ڈرتے ڈرتے پاس گیا۔ ہمت کر کے کھولا تو دیکھا کہ ایک خوب صورت عورت زخموں سے چور اُس میں پڑی کراہ رہی ہے۔ منہ ہی منہ میں کہتی ہے۔

''اے کم بخت! یہ ظلم' یہ بے وفائی! بھلائی کا یہ بدلہ! محنت کا یہ انعام! خیر میں نے اپنا تیرا انصاف خدا کو سونپا۔''

یہ کہہ کر دوپٹے کا آنچل منہ پر لے لیا اور غافل ہو گئی۔ پھر ذرا ہوش آیا تو آنچل منہ سے سرکا کر مجھے دیکھا۔ اس کی چاند سی صورت دیکھ کر میرا جی سنسنانے لگا۔ پھر میں نے ہمت کر کے پوچھا کہ ''تم کون ہو اور یہ کیا ماجرا ہے؟''

وہ بڑی مشکل سے بولی: ''مجھ میں اتنی سکت نہیں کہ کچھ بتا سکوں۔ کوئی دم کی مہمان ہوں۔ میرا دم نکل جائے تو خدا کے واسطے ہمت کر کے اس صندوق سمیت مجھے کہیں گاڑ دینا۔ نہیں تو جتنے منہ اتنی باتیں' نہ جانے لوگ کیا کیا کہیں گے۔''

یہ کہا اور پھر بے ہوش ہو گئی۔

اتنے میں دن نکلنے کو ہوا۔ کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کروں۔ آخر میں نے صندوق کو گھوڑے پر کس لیا اور دروازہ کھلتے ہی شہر میں داخل ہو گیا۔ بڑی مشکل سے کرائے کا ایک

www.pakistanipoint.com

مکان حاصل کیا اور اس حسینہ کو ایک ملائم بچھونے پر لٹا دیا۔ پھر جراح کی تلاش میں نکلا۔ لوگوں نے عیسیٰ جراح کا نام بتایا۔ میں اس کے پاس پہنچا اور بتایا کہ "ایک سوداگر ہوں' بیوی کو بھی سفر میں ساتھ لے آیا۔ راستے میں ڈاکوؤں نے لوٹ لیا اور زیور کے لالچ میں بیوی کو بھی گھائل کر دیا۔ مجھ مسافر پر مہربانی کرو اور اس کا علاج کر دو۔"

وہ اللہ کا نیک بندہ فوراً ساتھ ہو لیا۔ بڑی توجہ سے علاج کیا۔ تھوڑے ہی دنوں میں زخم اچھے ہو گئے۔ اتنے میں وہ سوداگر بھی آن پہنچا جس کے حوالے میں نے اپنا سامان کیا تھا۔ میں نے اُس سے سامان لے کر اونے پونے بیچ دیا اور اس عورت کے علاج معالجے پر خرچ کر دیا۔ وہ بالکل اچھی ہو گئی تو میں نے بڑے دھوم دھڑکے سے خوشی منائی اور فقیروں غریبوں میں خوب خیرات کی۔ صحت یاب ہو کر اس نے ایسا رنگ روپ نکالا کہ چہرے پر نظر نہ ٹکتی تھی۔

میں ہر وقت اس کی خدمت میں حاضر رہتا' جو حکم ہوتا بجا لاتا۔ وہ اپنے حُسن کے غرور میں میری طرف دیکھتی تو فرماتی: "خبردار! اگر تجھے ہماری خاطر منظور ہے تو ہرگز ہماری بات میں دخل نہ دینا' جو ہم کہیں، بلا عذر کیے جانا' نہیں تو پچھتائے گا۔"

میں بھی اس کی مرضی کے بغیر کوئی کام نہ کرتا۔ اسی طرح وقت کٹتا رہا اور میں اس کی فرمائشیں پوری کرتا رہا۔ ساری پونجی اسی میں خرچ ہو گئی۔ میں بڑا پریشان ہوا۔ وہ سمجھ دار تھی' ساری بات سمجھ گئی اور ایک خط لکھ کر میرے حوالے کیا کہ قلعے کے پاس ترپولیا میں جا کر سیدی بہار کو دینا۔

میں وہ خط لے کر پہنچا تو اُس نے زربفت کے قیمتی کپڑے اور اشرفیوں کے توڑے میرے حوالے کر دیئے۔ میں نے وہ سامان اس عورت کے آگے لا کر رکھ دیا۔ اس نے گیارہ توڑے اشرفیوں کے مجھے خرچ کے لئے دیئے۔ میں حیرت میں پڑ گیا کہ یا اللہ یہ ہے کون'

www.pakistanipoint.com

جس کے ذرا سے پرچے پر اتنا مال اسباب مل گیا' مگر اس پری نے پوچھ گچھ سے منع کر رکھا تھا۔ اس لئے کچھ نہ پوچھ سکا۔

آٹھویں دن وہ مجھ سے بولی: ''تیرے سب کپڑے پرانے ہو گئے ہیں۔ چوک کے چوراہے پر جا اور یوسف سوداگر کی دُکان سے کپڑے خرید لا۔ میں اس کا حکم بجا لایا۔ اس کی دُکان میں پہنچا تو دیکھا ایک خوب صورت جوان گدی پر بیٹھا ہے' بات چیت ہوئی۔ اس نے سب سامان نوکروں سے منگوا کے سامنے رکھ دیا۔ پھر بولا: ''بات چیت سے پردیسی لگتے ہو' کدھر سے آنا ہوا۔''

میں نے کچھ سچ کچھ جھوٹ جواب دیا' کیونکہ راز چھپانا چاہتا تھا۔ وہ کچھ زیادہ ہی مہربان ہو گیا۔ بولا: ''آج غریب خانے پر تشریف لائیے۔ دو چار گھڑی ساتھ بیٹھیں' کھانے پینے کا شغل ہو۔ میں نے بہت منع کیا' مگر وہ نہ مانا۔ مجبوراً آنے کا وعدہ کر کے چلا آیا۔

گھر آ کے سب ماجرا اس حسینہ کو سنایا۔ بولی ''وعدہ کر لیا ہے تو چلے جاؤ۔ ہمیں خدا کی نگہبانی میں چھوڑو۔ دعوت قبول کرنا ویسے بھی رسول کی سنت ہے۔''

چنانچہ میں یوسف سوداگر کے مکان پر پہنچا۔ مکان کیا تھا' بڑا خوب صورت محل تھا۔ پائیں باغ تو ایسا کہ بس دیکھتے رہو۔ اس نے بارہ دری میں بٹھایا۔ بڑے ٹھاٹھ کا بندوبست تھا۔ پہلے شراب کا دور شروع ہوا۔ گانے کی محفل جمی۔ جب محفل زور پر آئی تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کہنے لگا: ''اب تم دوست ہو' تم سے کیا پردہ۔ اگر تم اجازت دو تو اپنی محبوبہ کو بھی اس محفل میں بلا لوں۔''

میں نے کہا: ''ہاں ہاں ضرور بلا لو۔'' مجھے دل میں اُسے دیکھنے کا اشتیاق ہوا جس کے بغیر یوسف کو ایک پل چین نہ تھا۔

www.pakistanipoint.com

ذرا دیر میں ایک کالی کلوٹی عورت، جس کے دیکھنے سے انسان بے موت مر جائے، اُس جوان کے پاس آن بیٹھی۔ میں دل میں لاحول پڑھ کے چپ ہو رہا۔ غرض وہ محفل ختم ہوئی تو اپنے گھر آیا اور سارا قصہ اُس حسینہ کو سنایا۔ وہ مسکرا کر چپ ہو گئی۔ پھر بولی: ''اب یہ بتاؤ مفت کی مہمان نوازی کے بعد چپ بیٹھے رہو گے یا اس کا بدلا بھی اتارو گے؟ مناسب ہے کہ تم بھی ایک دن اس سوداگر کی دعوت کرو۔''

میں نے ایک دن جا کر یوسف کو دعوت دے دی۔ اس حسینہ نے دعوت کا بڑا شاندار انتظام کیا۔ رات ہوئی تو یوسف سوداگر آیا۔ میں نے آگے بڑھ کر اُسے خوش آمدید کہا۔ پھر اس حسینہ کے مشورے پر میں نے یوسف سے کہا: ''تم مناسب سمجھو تو اپنی محبوبہ کو بھی یہاں بلا لو، کیونکہ اس کے بغیر تمہیں چین نہیں پڑتا۔''

یہ بات اُسے بہت پسند آئی۔ میں نے اُسے بلوانے کا انتظام کیا۔ ذرا دیر میں وہ چڑیل بلائے ناگہانی کی طرح آن پہنچی۔ میں نے مجبوراً بڑھ کر استقبال کیا اور اُسے یوسف کے پاس لا بٹھایا۔ وہ ایسا خوش ہوا جیسے دنیا کی نعمت مل گئی۔ وہ عورت بھی اس کے گلے سے لپٹ گئی۔ سچ مچ ایسا لگا جیسے چودھویں رات کے چاند کو گہن لگتا ہے۔ ایک تماشا بن گیا۔ سب نے حیرت سے دانتوں میں انگلیاں دبا لیں۔

شراب کا دور شروع ہوا تو قسمت کا مارا میں بھی شریک ہوا۔ دو چار جام پیئے تو سدھ بدھ کی خبر نہ رہی۔ آنکھ کھلی تو چاروں طرف دھوپ پھیل چکی تھی۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا سارا گھر بھائیں بھائیں کر رہا تھا۔ کوئی جاندار نظر نہ آیا۔ کونے میں کوئی چیز دکھائی دی کہ فرش میں لپٹی رکھی تھی۔ کھول کے دیکھا تو ہاتھوں کے توتے اُڑ گئے۔ یوسف سوداگر اور اس کی محبوبہ کی لاشیں خون میں لت پت تھیں۔

اتنے میں ایک جانی پہچانی سی صورت دکھائی دی۔ اس آدمی کو رات دعوت کے انتظام

میں دیکھا تھا۔ اس سے پوچھا: ''یہ کیا ماجرا ہے؟''

اس نے کہا: ''تجھے ان باتوں سے کیا لینا' چپ رہ۔''

پھر میری بڑی خوشامد کے بعد اس پر راضی ہوا کہ مجھے اس حسینہ سے ملا دے۔ مجھے ایک باغیچے میں لے جا کر چھپا دیا۔ رات کو وہ ٹہلتی ہوئی ادھر آئی' مگر میری طرف توجہ نہ کی۔ پھر توجہ کی تو خادموں سے کہا: ''اسے اشرفی کے سو توڑے دے کر رخصت کر دو۔''

یہ سن کر میں جل بھن ہی تو گیا۔ میں نے اُس بے وفا کو اپنی خدمت یاد دلائی اور بتایا کہ ''اُس دن صندوق سے نکال کر علاج نہ کراتا تو دشمنوں کی جان چلی جاتی۔''

اس نے کہا: ''ٹھیک ہے' اب صاف صاف بتا' تیرے دل میں کیا ہے؟''

اُس نے جو یہ کہا تو خوشی سے میرے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ خدا کا شکر ادا کیا۔ تین بار اُس کے گرد پھرا۔ پھر ہاتھ جوڑ کے آگے کھڑا ہو گیا۔ بولا: ''آج یہ حکم ہوا ہے کہ جو کچھ جی میں ہے' سو کہہ' تو عرض کرتا ہوں کہ مجھے سارے جہان کی بادشاہی سے یہ بات زیادہ ہے کہ مجھے اپنی بندگی میں قبول کر لو۔''

یہ سن کر وہ سناٹے میں آ گئی۔ پھر کن انکھیوں سے دیکھ کر کہا:

''تم نے خدمت اور وفاداری ایسی ہی کی ہے اور اپنے بھی دل پر نقش ہے۔ خیر ہم نے قبول کیا۔''

اُسی دن چپکے سے نکاح ہو گیا۔ ایک کانٹا دل سے نکل گیا' مگر ایک کھٹک رہ گئی۔ وہ یہ کہ آخر یہ پری ہے کون اور وہ شخص کون تھا جس نے اس کے ذرا سے خط پر اتنا مال دولت دے دیا۔ یوسف سوداگر اور اس کی محبوبہ کس خطا پر مارے گئے؟ سوچتا تھا مگر ان سوالوں کا جواب نہ ملتا تھا۔

ایک دن اسے ذرا خوشی کے عالم میں دیکھا تو میں نے پوچھ ہی لیا کہ یہ سب کیا بھید

www.pakistanipoint.com

ہے۔ پہلے تو وہ بہت بگڑی کہ سارے وعدے بھول کر ان باتوں کو کریدتا ہے' مگر میں خوشامد کرتا ہی رہا۔ آخر ناچار ہو کر بولی: ''ان باتوں کے کہنے میں بہت سی خرابیاں ہیں۔ تو خواہ مخواہ پیچھے پڑا ہے۔ خیر تیری خاطر عزیز ہے' اس لئے سارا قصہ سناتی ہوں۔ لیکن خبردار یہ بات کسی پر نہ کھلے۔'' پھر اُس نے اپنی کہانی سنائی۔

کہنے لگی: ''میں بدنصیب دمشق کے بادشاہ کی بیٹی ہوں۔ سوائے میرے کوئی اور بال بچہ اس کے یہاں نہیں ہوا۔ میں بڑے نازوں سے پلی بڑھی۔ ہنسی خوشی وقت گزرتا رہا۔ اچانک میرا سب چیزوں سے جی اچاٹ ہو گیا۔ طبیعت گھبرانے لگی۔ سب لوگ فکرمند ہو گئے' جو آدمی تجھے میرے پاس لایا تھا' وہ میرا پرانا اور نمک حلال خواجہ سرا ہے۔ وہ ہر طرح میرا رازدار ہے۔ اس نے میری وحشت دیکھ کر مشورہ دیا کہ تھوڑا سا ورق الخیال کا شربت پینے سے طبیعت سنبھلے گی۔''

میں نے کہا: ''جلدی حاضر کر۔''

تھوڑی دیر بعد خواجہ سرا پھر آیا۔ اس کے ساتھ ایک خوب صورت سا لڑکا تھا جس کے پاس ایک صراحی برف میں دبی ہوئی تھی۔ میں نے شربت پیا تو واقعی اُس سے طبیعت سنبھلنے لگی۔ اس دن سے وہ لڑکا روز اس شربت کی صراحی لے کر آتا۔ اس کا نشہ چڑھتا تو میں اس لڑکے سے ہنسی مذاق کر کے دل بہلاتی۔ کچھ دنوں میں اُس نے بھی پر پرزے نکالے۔ طرح طرح مجھ سے چھیڑ چھاڑ کرنے لگا۔ میں نے خواجہ سرا سے کہا کہ اس لڑکے کی پرورش ٹھیک طرح سے ہونی چاہیے اور اس کے لئے اچھے کپڑوں کا بندوبست ہونا چاہیے۔ فراغت سے گزرنے لگی تو اُس نے عجب رنگ روپ نکالا۔ میرا بھی عجب حال ہو گیا۔ میں اپنے دل کو ہر چند سنبھالتی مگر اس کافر کی صورت جی میں ایسی رچ بس گئی تھی کہ یہی جی چاہتا کہ مارے پیار کے اُسے آنکھوں میں ڈال رکھوں اور اپنی آنکھوں سے ایک پل جدا نہ کروں۔

www.pakistanipoint.com

کئی برس بعد وہ بڑا ہو گیا۔ یہ دیکھ کر درباریوں میں چرچا ہونے لگا۔ لوگوں نے اس کے اندر آنے جانے پر اعتراض کیا۔ دربان اور چوبدار اس کے اندر آنے کو منع کرنے لگے۔ آخر اس کا اندر آنا بند ہو گیا۔ میں نے خواجہ سرا سے کہہ کر پہلے تو چوک میں اسے شاندار دکان کرا دی۔ پھر رہنے کے لئے اپنے محل کے قریب ایک حویلی بنوا دی۔ اپنے خرچے سے اس کے گھر نوکر چاکر مقرر کرا دیئے۔

اس طرح اس کی زندگی آرام سے گزرنے لگی۔ کاروبار بھی خوب چمکا۔ لاکھوں کا آدمی ہو گیا۔ شہر میں کوئی بیوپاری اس کی ٹکر کا نہ رہا' مگر اس کی جدائی میرے تن بدن کو گھلانے لگی۔ ایسی کوئی تدبیر نہ بن آئی کہ اُس کو دیکھ کر اپنے دل کی تسلی کر سکوں۔ پھر اُس خواجہ سرا کو بلا کر کہا:

''اُس کی جدائی اب برداشت نہیں ہوتی۔ اب ایک صورت یہ ہے کہ ایک سرنگ اس کی حویلی سے کھدوا کر محل میں ملوا دو؟''

خواجہ سرا کو یہ صلاح پسند آئی۔ اس نے ایک سرنگ تیار کرا دی۔ اب یہ ہوتا کہ ہر رات وہ خواجہ سرا اُس سرنگ کے راستے اُسے لے آتا۔ میں اُس کے ملنے سے آرام پاتی۔ وہ مجھے دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا۔ جب صبح کا تارا نکلتا اور اذان ہو جاتی تو خواجہ سرا اُسی راستے اُسے واپس پہنچا آتا۔ اس راز سے خواجہ سرا کے علاوہ دائیاں بھی واقف تھیں۔

بہت دن اس عیش آرام میں گزرے۔ ایک دن وہ جوان آیا تو بڑا اداس تھا۔ میں بات کرتی تو وہ ہاں ہوں کر کے ٹال دیتا۔ آخر مجھ سے نہ رہا گیا اور اس سے اُداسی کا سبب پوچھا۔ رونی سی شکل بنا کر بولا۔ ''میں گم نام آپ کی توجہ سے اس قابل ہوا کہ آرام سے زندگی کٹتی ہے۔ آپ کے جان و مال کو دعا دیتا ہوں' مگر یہ جو سنا تھا' سچ نکلا کہ آدمی کی ہوس بڑھتی جاتی ہے۔ ایک باغ اور اس کے ساتھ شاندار عمارت میری حویلی کے قریب بک رہی ہے۔ اس باغ کے ساتھ ایک لونڈی بھی بکتی ہے' جو گانے میں اپنا جواب نہیں رکھتی۔ دونوں

www.pakistanipoint.com

ساتھ بک رہے ہیں' جیسے اونٹ کے گلے میں بلی اور تماشا یہ کہ باغ کا مول پانچ ہزار اور اس باندی کی قیمت پانچ لاکھ' مگر جو باغ لے وہ اس کنیز کو بھی لے۔ مجھے باغ پسند ہے' مگر لونڈی کی قیمت ساتھ میں ادا کرنے کی طاقت نہیں۔'' یہ کہہ کر اس نے سر جھکا لیا۔

مجھ سے اُس کی اُداسی دیکھی نہ گئی۔ فوراً خواجہ سرا کو بلا کر حکم دیا کہ کل صبح وہ باغ' عمارت اور لونڈی خرید کے اس جوان کے حوالے کرو۔ صبح کو لکھائی پڑھائی ہو گئی اور جوان پہلے کی طرح خوش خوش نظر آنے لگا۔

ایک دن بڑا سہانا موسم تھا' بدلی ہو رہی تھی' پھوار پڑ رہی تھی۔ شراب کی رنگ برنگی صراحیاں طاقوں پر دھری تھیں۔ جی للچایا کہ ایک دو گھونٹ پی لوں۔ اس کے پینے سے سرور ہوا تو اُس باغ کی سیر کا خیال آیا جو خرید کر اس جوان کو دیا تھا۔ میں سرنگ کے راستے اس کی حویلی میں پہنچی۔ وہاں سے گھومتی سیر کرتی اس باغ میں جا نکلی۔ واقعی اس کی بہار جنت کی رونق کا مقابلہ کر رہی تھی۔ پھولوں کی کیاریاں شام کی شفق کو شرما رہی تھیں اور نہریں لبالب بھری موجیں مار رہی تھیں۔

اتنے میں وہ جوان ایک روش پر ٹہلتا نظر آیا۔ مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ آگے بڑھ کر میرا ہاتھ تھاما اور بارہ دری کی طرف لے چلا۔ وہاں جگہ جگہ قمقمے' کنول' جھاڑ' فانوس روشن تھے۔ شبِ برأت کا سا سماں تھا۔ بادل پھٹ گیا تو چاند ایسے نکلا جیسے کوئی حسین سنہری جوڑا پہن کر آ جائے۔ چاندنی چھٹکی تو جوان نے کہا: ''اب چل کر باغ کے بالا خانے پر بیٹھیں۔ میں ایسی دیوانی ہوئی تھی کہ جو وہ کہتا مان لیتی۔ وہ مجھے اوپر لے گیا۔ یہ جگہ بہت اونچی تھی۔ میں اس جوان کے گلے میں بانہیں ڈالے خوشی کے عالم میں بیٹھی تھی۔ اتنے میں ایک بھونڈی سی عورت' صورت نہ شکل' چولہے میں سے نکلی' شراب کا پیالہ ہاتھ میں لئے ہوئی آ پہنچی۔ مجھے اس کا آنا برا لگا بلکہ صورت دیکھنے سے دل میں ہول اُٹھی۔

www.pakistanipoint.com

اُسے دیکھ کر میں نے جوان سے پوچھا: ''یہ کمبخت کون ہے؟'' وہ ہاتھ باندھ کر کہنے لگا:

''یہ وہی لونڈی ہے جو باغ کے ساتھ بکی تھی اور جسے میں نے آپ کی عنایت سے خریدا تھا۔ اُسے دیکھ کر میری طبیعت بے مزہ ہوئی' مگر یہ سوچ کر چپ رہی کہ شاید یہ احمق جوان اس پر فدا ہے اور بڑی آرزو سے اسے خریدا ہے۔ اب ستم یہ ہوا کہ شراب کے پیالے بھر بھر کے دینے کا کام بھی اُسی کے سپرد ہوا۔

وہ چڑیل پیالے بھر بھر کے بھی دیئے جاتی تھی اور مجھے ایسا لگا کہ اس جوان کو اشاروں میں کچھ سمجھاتی بھی جاتی تھی' مگر میں نے اس کی طرف توجہ نہ کی۔ اتنے عرصے میں وہ بھی شراب کے کئی پیالے چڑھا چکا تھا اور مجھے بھی خوب نشہ چڑھنے لگا تھا۔ تب اُس بے رحم' نمک حرام نے تلوار نکالی اور مجھ پر وار پر وار کرنے لگا۔ میں گھائل ہو کر گر پڑی تو وہ سمجھا کہ میرا کام تمام ہوا۔ مجھے صندوق میں بند کیا اور صندوق کو قلعے کی دیوار سے نیچے لٹکا دیا۔ جب ہوش آیا تو منہ سے یہی نکلا کہ خیر جیسا ہم نے کیا ویسا پایا۔ کہیں ایسا نہ ہو بے گناہ کا یہ خون رنگ لائے۔ خیر کسی سے یہ بھید ظاہر نہ کرنا۔ ہم نے تو تجھ سے جان تک بھی درگزر نہ کی۔''

مگر یہ باتیں سننے کے لئے وہ کہاں موجود تھا۔

ہوش آیا تو میں تمھارے مکان میں تھی۔ جی چاہتا تھا کسی کو منہ نہ دکھاؤں' مگر مرنا جینا آدمی کے اپنے بس میں نہیں۔ زندگی تھی کہ تیری بھاگ دوڑ رنگ لائی۔ جو کچھ تیرے پاس تھا سب خرچ ہو گیا تو تو پریشان رہنے لگا۔ اس لئے میں نے اپنے خزانچی سیدی بہار کو خط لکھ کر کچھ سامان منگایا اور یہ بھی لکھا کہ مجھ ابھاگن کی ماں کو بھی خبر کر دینا کہ ابھی جیتی ہوں۔

روپے پیسے کا بندوبست ہو گیا تو تجھے یوسف سوداگر کی دُکان پر بھیجا۔ یہی وہ جوان تھا جس نے اپنے خیال میں تو مجھے جان سے مار دیا تھا۔ میں اُس سے بدلہ لینے کے لئے بے چین تھی۔ سوچا تو اُس کے پاس جائے گا۔ وہ بات چیت سے سمجھ لے گا کہ پردیسی ہے۔

www.pakistanipoint.com

اُسے دوستی کرنے کا بھی شوق ہے۔ دعوت کے بہانے گھر بلا کر اپنا باغ' حویلی اور گھر کا سازوسامان دکھائے گا۔ میرا یہ خیال ٹھیک ہی نکلا۔

جب تو دعوت کھا کے لوٹا تو میں نے کہا اس کا بدلہ چکا اور اسکی دعوت کر۔ تو اُس کے پاس چلا گیا۔ ادھر میں دوڑ کر اپنی ماں کے پاس گئی۔ انہوں نے بدنامی کے ڈر سے میرے غائب ہونے کا حال کسی کو نہیں بتایا تھا۔ میں نے سارا ماجرا انہیں سنایا اور بتایا کہ اس نمک حرام سے بدلہ لینا چاہتی ہوں۔ اُن کی مدد سے میں نے دعوت کا انتظام کیا اور جب یوسف اس کی محبوبہ اور تو شراب کے نشے میں غافل ہو گئے تو میں نے اپنے ایک ملازم کو حکم دیا کہ اُن دونوں کے سر تن سے الگ کر دے۔ لے یہ تھی میری دُکھ بھری کہانی۔ اب صورت یہ ہے کہ اس شہر میں رہنا مناسب نہیں۔ آگے جیسا تو چاہے۔"

اتنا کہہ کر شہزادی چپ ہو گئی۔ میں تو اس کے حکم کا بندہ تھا۔ اس کا اشارہ پا کے میں نے دو ایسے گھوڑوں کا بندوبست کیا جو چلنے میں ہوا سے باتیں کرتے تھے۔ جب تھوڑی رات باقی رہی' شہزادی مردانہ لباس پہن کر اور پانچوں ہتھیار باندھ کر ایک گھوڑے پر سوار ہوئی۔ دوسرے پر میں بیٹھا اور ایک طرف کو چل نکلے۔ راستہ کاٹنے کو باتیں کرتے جاتے تھے۔ کبھی شہزادی کہتی: "ہم نے تیری خاطر شرم' حیا' ملک مال' ماں باپ سب کو چھوڑا۔ ایسا نہ ہو کہ تو بھی اس ظالم بے وفا کی طرح سلوک کرے۔"

کبھی میں اِدھر اُدھر احوال کہتا' کبھی یقین دلاتا کہ "سب آدمی ایک سے نہیں ہوتے۔ میں تو تمہارا بے دام غلام ہوں۔"

غرض رات دن چلنے سے کام تھا۔ تھک ہار کر ذرا دیر کو کہیں اُتر جاتے۔ شکار کر کے پیٹ بھرتے اور پھر چل نکلتے۔ ایک دن دریا کے پاس جا پہنچے۔ ایسا دریا جسے دیکھنے سے کلیجہ پانی ہو۔ کہیں کنارہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ میں بڑا حیران ہوا۔ آخر میں نے شہزادی سے کہا:

www.pakistanipoint.com

''تم ذرا دیر آرام کرو۔ میں کشتی کی تلاش میں جاتا ہوں۔'' وہ تھکی ہاری اور بھوکی پیاسی تھی۔ اُسے یہ تجویز پسند آئی۔

پاس ہی ایک بڑا سا پیپل کا پیڑ تھا۔ میں نے شہزادی کو اس کے نیچے بٹھایا اور ناؤ کی تلاش میں چل دیا۔ چاروں طرف نظر دوڑاتا تھا' مگر آدمی کا نشان نہ پاتا تھا۔ آخر مایوس ہو کر لوٹ آیا' مگر شہزادی کو پیڑ کے نیچے نہ پایا۔ عجب حالت ہوئی' کبھی پیڑ پر چڑھ جاتا' کبھی اُتر کر اِدھر اُدھر دوڑتا' مگر وہ کہیں ہوتی تو نظر آتی۔ کبھی خیال آتا کہ کوئی جن اڑا لے گیا۔ کبھی سوچتا ممکن ہے اس کے دیس سے کوئی پیچھے لگا آیا ہو اور اکیلا پا کے منا لے گیا ہو۔

اس صدمے سے ایسی حالت ہوئی کہ کپڑے پھاڑ پھینکے۔ ننگا منگا فقیر بن کر شام کے ملک میں ڈھونڈتا پھرا، مگر اس کا کہیں نشان نہ ملا۔ ایسے میں ایک دن اونچا سا پہاڑ نظر آیا۔ سوچا اس پر چڑھوں اور نیچے کود پڑوں۔ اب زندہ رہنے سے کیا فائدہ۔ یہ سوچ کر تیز تیز قدموں سے پہاڑ پر چڑھنے لگا۔ چوٹی پر پہنچ کر چاہتا تھا کہ اپنے کو نیچے گرا دوں۔ اتنے میں کسی نے پیچھے سے ہاتھ پکڑ لیا۔ مڑ کر دیکھا تو ایک سوار سبز کپڑے پہنے' منہ پر نقاب ڈالے کھڑے تھے۔ کہنے لگے: ''نادان! کیوں مرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ جب تک سانس' تب تک آس۔ خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ ملک روم میں تین درویش تیری طرح زمانے کے ستائے ہوئے ملیں گے۔ اس ملک کا بادشاہ آزاد بخت ہے۔ اُسے بھی ایک دکھ ہے' وہ بھی تم چاروں سے آ ملے گا۔ اس وقت تم سب کی مرادیں ملیں گی۔''

میں نے رکاب پکڑ کر ان کے پیر چومے اور پوچھا کہ ''آپ کون ہیں؟''

انہوں نے فرمایا: ''میرا نام مرتضیٰ علیؓ ہے۔ میرا کام یہی ہے کہ کسی کو مشکل پیش آئے تو اُسے آسان کروں۔''

یہ فرما کے وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ اُس وقت سے میں برابر سفر کرتا رہا اور یہاں آ

www.pakistanipoint.com

پہنچا۔ میری خوش قسمتی کہ یہاں تم سب سے ملاقات ہوگئی۔ خدا کرے کہ بادشاہ آزاد بخت سے بھی جلد نیاز حاصل ہو اور ہم سب کی مرادیں پوری ہوں۔

اتنا کہہ کر پہلا درویش خاموش ہو گیا۔ آزاد بخت نے ایک کونے میں چھپے چھپے سارا قصہ سنا۔ اب دوسرے درویش کی باری تھی۔

☆☆☆

www.pakistanipoint.com

دوسرے درویش کا قصہ

دوسرا درویش سنبھل کر بیٹھا اور اُس نے اپنا قصہ شروع کیا۔ کہنے لگا:

"اے زمانے کے ستائے ہوئے ساتھیو! میں ملک فارس کا رہنے والا ہوں۔ اس ملک کے بادشاہ میرے والد بزرگوار تھے۔ انہوں نے میری تربیت کے لئے بڑے ہوشیار استاد مقرر کئے۔ میں چودہ برس کا ہوا تو خدا کے فضل سے سارے ہنر جان گیا۔ اٹھنے بیٹھنے کا شعور اور بات چیت کا سلیقہ، غرض سبھی کچھ آ گیا۔ سب سے زیادہ شوق اس بات کا تھا کہ قابل لوگوں کی صحبت میں بیٹھوں اور ملک ملک کے بلند حوصلہ بادشاہوں کے قصے سنوں اور سناؤں۔

ایک دن کا قصہ ہے کہ ایک ہوشیار، تجربہ کار اور تاریخ داں بزرگ نے کہا کہ "آدمی کی زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں، لیکن کچھ خوبیاں ایسی ہیں جن کو اپنا لینے سے آدمی کا نام قیامت تک زندہ رہتا ہے۔"

میں نے کہا: "یہ بات ذرا تفصیل سے بیان کیجئے، جو میں بھی اس سے کچھ سیکھوں۔"

اس پر اس بزرگ نے حاتم طائی کا قصہ یوں سنایا:

"حاتم کے زمانے میں عرب کا ایک بادشاہ نوفل تھا۔ حاتم کی شہرت سن کر وہ اس کا دشمن

www.pakistanipoint.com

ہو گیا۔ بڑا سا لشکر لے کر حاتم کے ملک پر چڑھ دوڑا۔ حاتم نے سوچا جنگ ہوگی تو بہت سے بے گناہوں کا خون ہوگا۔ اس کا عذاب میرے نام لکھا جائے گا۔ اس لئے وہ تخت تاج چھوڑ کر ایک پہاڑ کی کھوہ میں جا چھپا۔ نوفل کو اس کے غائب ہونے کا حال معلوم ہوا تو اس نے منادی کرادی کہ جو حاتم کو پکڑ لائے گا' پانچ سو اشرفی انعام پائے گا۔"

یہ سن کر بہت سے لوگوں کو لالچ آیا اور وہ حاتم کی تلاش کرنے لگے۔

ایک دن ایک بوڑھا' اس کی بڑھیا اور اُن کے دو تین بچے لکڑیاں چنتے اس غار کے پاس جا پہنچے' جہاں حاتم چھپا ہوا تھا۔

بڑھیا بولی: "اگر حاتم ہمارے ہاتھ آ جاتا تو ہمارے دن پھر جاتے۔" بوڑھے نے کہا" کیوں ٹرٹر کرتی ہے۔ ہماری ایسی قسمت کہاں ہے جو حاتم ہمارے ہاتھ آئے اور ہم انعام میں پانچ سو اشرفیاں پائیں۔ ہماری قسمت میں تو لکڑیاں چننا ہی لکھا ہے۔"

حاتم ان دونوں کی باتیں سنتا تھا۔ اس نے سوچا: "یہ زندگی کسی کے کام ہی آ جائے تو اچھا ہے۔" یہ سوچ کر باہر نکل آیا اور بوڑھے سے کہا" میں ہی حاتم ہوں۔ مجھے پکڑ کر نوفل کے پاس لے چل اور اس سے انعام لے۔"

بوڑھا سوچ میں پڑ گیا۔ پھر بولا: "ایسا کرنے میں میرا بھلا ضرور ہے' مگر معلوم نہیں وہ تجھ سے کیا سلوک کرے۔ کیا پتہ مار ہی ڈالے۔ میرے ہاتھ انعام لگا بھی تو کیا' پھر کتنے دن کھاؤں گا۔ آخر مرنا ہے اور خدا کے سامنے جانا ہے۔ اُسے کیا منہ دکھاؤں گا۔"

حاتم نے بڑی خوشامد کی' مگر وہ نہ مانا۔ آخر حاتم نے کہا: "میں خود نوفل کے پاس جا کر کہتا ہوں کہ اس بوڑھے نے مجھے پہاڑ کی کھوہ میں چھپا رکھا تھا۔"

بوڑھا ہنس کر بولا: "بھلائی کے بدلے رہائی ملے تو یا نصیب۔"

یہ تکرار سن کر آدمی جمع ہو گئے۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ حاتم یہی ہے تو فوراً پکڑ کر نوفل

www.pakistanipoint.com

کے پاس لے گئے۔ وہ بوڑھا بھی افسوس کرتا ہوا پیچھے پیچھے چلا۔

نوفل کے دربار میں پہنچ کر ہر ایک نے ڈینگیں ماریں۔ ہر ایک بولا کہ اسے میں ہی پکڑ کے لایا ہوں۔ اتنے میں حاتم بول اُٹھا کہ "سچ تو یہ ہے کہ مجھے وہ بوڑھا پکڑ کر لایا ہے۔" سب سے پیچھے کھڑا ہے۔ نوفل نے بوڑھے کو بلوایا تو اس نے سارا حال بیان کیا۔ نوفل نے اُس بوڑھے کو پانچ سو اشرفیاں انعام دیں اور جھوٹوں کے سروں پر اتنی جوتیاں لگوائیں کہ سب کا سر گنجا ہو گیا۔

نوفل نے دیکھا کہ حاتم ایسا نیک ہے اور دوسروں کی مدد کے لئے اپنی جان تک دینے سے نہیں کتراتا۔ ایسے آدمی سے دشمنی کرنا بری بات ہے۔ یہ سوچ کر حاتم سے دوستی کی اُسے اپنے پاس بٹھایا اور اس کا ملک اسے لوٹا دیا۔

میں نے حاتم کی دریا دلی کا یہ قصہ سنا تو مجھے بڑی غیرت آئی۔ میں نے فوراً امیر عمارت کو بلوا کر حکم دیا کہ ایک شاندار عمارت بنواؤ، جس میں چالیس اونچے اونچے کشادہ دروازے ہوں۔ جلد ہی عمارت تیار ہو گئی۔ میں صبح ہی اُس میں جا بیٹھتا اور شام تک محتاجوں اور ضرورت مندوں کو روپے اور اشرفی دیتا رہا۔ جو کوئی جس چیز کا سوال کرتا میں فوراً حاضر کرتا۔ چالیسوں دروازے ضرورت مندوں کے لئے کھلے رہتے۔

ایک دن ایک فقیر سامنے کے دروازے سے آیا اور اُس نے ایک اشرفی مانگی۔ میں نے فوراً دے دی۔ پھر وہ دوسرے دروازے سے آیا اور دو اشرفیاں چاہیں۔ میں نے وہ بھی دے دیں۔ اس طرح وہ ایک کے بعد دوسرے دروازے سے آتا رہا اور ایک ایک اشرفی بڑھا کر مانگتا رہا۔ چالیسویں دروازے سے آ کر اُس نے چالیس اشرفیاں مانگیں۔ میں نے وہ بھی دے دیں۔ اس کے بعد وہ پھر پہلے دروازے سے آیا اور پھر سوال کیا۔ مجھے غصہ آ گیا۔ میں نے کہا: "اے فقیر! تو بڑا لالچی ہے کہ تیری ہوس کم نہیں ہوتی۔ چالیس دروازوں

www.pakistanipoint.com

سے آ کر تو نے چالیس اشرفیوں تک لیں۔ حساب تو کر کہ کتنی اشرفیاں ہوئیں۔ پہلے انہیں تو خرچ کر۔"

میری یہ بات سن کر وہ غصے سے بپھر گیا۔ ساری اشرفیاں پھینک دیں اور بولا: "اے یہ اپنی دولت رکھ لے' مگر پھر کبھی سخاوت کا نام نہ لینا۔ میں نے بہت ملکوں کی سیر کی' مگر بصرے کی شہزادی کے سوا کسی کو سخی نہ پایا۔"

اب تو میں بڑا شرمندہ ہوا۔ اس سے بار بار کہتا تھا۔ "میری خطا معاف کر دے اور جو چاہے لے مگر وہ نہ مانا۔ بولا: "اب تو تیری ساری دولت پر تھوکوں بھی نہیں۔"

وہ تو چلا گیا مگر میرے دل میں بصرے کی شہزادی کو دیکھنے کا شوق پیدا ہوا۔

جب بادشاہ نے اس دنیا سے کوچ کیا تو میں تخت پر بیٹھا۔ لیکن دل سے وہ خواہش ختم نہ ہوئی۔ ایک دن میں نے سارا کاروبار وزیر کو سونپا اور خود بصرے جا پہنچا۔ وہاں جو ملتا اپنی حیثیت سے بڑھ کر خاطر مدارت کرتا۔ شہر میں پہنچا تو ایک شخص نے بڑی خوشامد کر کے اپنا مہمان بنا لیا۔ بڑی خاطر مدارت کی۔ تین دن رہنے کے بعد میں نے اُس کی خوشامد کی کہ اب رخصت کرو۔ بڑی مشکل سے اجازت دی' مگر بولا: "اب اس گھر کا سامان سب تمہارا ہے' جو چاہو کرو۔" میری سمجھ میں نہ آیا کیا کروں۔ جب وہ کسی طرح نہ مانا تو سارا سامان ایک مکان میں رکھ کر تالا ڈال دیا۔

اتنے میں ایک اور شخص آ پہنچا اور منتیں کر کے وہ بھی اپنے گھر لے گیا۔ پہلے کی طرح اس نے بھی سارا سامان میرے حوالے کر دیا۔ میں نے لاکھ منع کیا' مگر وہ نہ مانا۔ بولا: "شہزادی کو خبر ہو گی کہ ایک مہمان آیا تھا' میں نے پوری طرح خاطر نہ کی تو ناراض ہو گی۔ اب تو مجھے اس سے ملنے کا اور بھی اشتیاق پیدا ہوا۔ میں نے اپنے میزبان سے کہا: "بھائی! میرا ایک کام کرو۔ میرا ایک خط شہزادی کی خدمت میں پہنچا دو۔" وہ فوراً راضی ہو گیا۔

www.pakistanipoint.com

میں نے خط میں لکھا: ''اے سخی شہزادی! میں خود اپنے ملک کا بادشاہ ہوں۔ کسی چیز کی ضرورت نہیں، مگر آپ کی نیک نامی اور سخاوت کا چرچا سنا تو دیکھنے کا شوق ہوا۔ بھیس بدل کر چل نکلا اور یہاں تک آ پہنچا۔ جو کچھ سنا تھا اس سے زیادہ پایا۔ اب آرزو یہ ہے کہ آپ مجھے اپنی غلامی میں قبول کریں۔ ورنہ ساری زندگی خاک چھانتا پھروں گا۔''

وہ آدمی لوٹ کر آیا اور مجھے محل کی ڈیوڑھی پر لے گیا۔ ایک بوڑھی عورت پردے کے پیچھے میرا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے کہا: ''شہزادی نے سلام کہا ہے اور کہا ہے کہ شادی کرنے میں تو کوئی بری بات نہیں ہے، مگر میری ایک شرط ہے۔ اُسے پورا کرنا ہوگا۔''

میں نے کہا: ''میں ہر طرح حاضر ہوں۔ بتاؤ وہ شرط کیا ہے۔''

وہ عورت بولی: ''یہاں کے سوداگر ہر سال سامان لے کر ملکوں ملکوں پھرتے ہیں۔ جب وہ لوٹتے ہیں تو شہزادی اُن سے سب دیسوں کا حال پوچھتی ہیں۔ ایک سوداگر نے بتایا کہ وہ ملک نیم روز میں پہنچا۔ وہاں ہر شخص کالا ماتمی لباس پہنے تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے سارے دیس پر کوئی مصیبت پڑی ہے۔ اس نے ہر ایک سے پوچھا: ''کیا ماجرا ہے؟ کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔''

ایک دن صبح صبح شہر کے سب لوگ باہر نکل کر ایک میدان میں جمع ہوئے۔ بادشاہ اور امیر وزیر بھی سب کے ساتھ تھے۔ وہاں سب قطار باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ ایسا لگتا تھا، کسی کا انتظار کر رہے ہیں۔ اتنے میں ایک خوب صورت جوان زرد بیل پر سوار شور و غل کرتا ہوا وہاں آیا۔ منہ سے کف بہ رہا تھا۔ ایک ہاتھ میں ننگی تلوار تھی، دوسرے میں ایک چیز تھی۔ ایک خوب صورت لڑکا اُس کے ساتھ تھا۔ اس جوان نے لڑکے کو وہ چیز دی۔ لڑکا وہ چیز دکھاتا ہوا سب کے سامنے گزرا۔ جو دیکھتا دھاڑیں مار کر روتا۔ آخر لڑکا جوان کے سامنے پہنچا۔ اس نے ایک دم تلوار ماری۔ اس کا سر الگ ہو گیا۔ اس کے بعد جوان ادھر ہی چلا گیا، جدھر سے

www.pakistanipoint.com

آیا تھا۔ سوداگر نے ایک ایک کی خوشامد کی' مگر کسی نے نہ بتایا کہ کیا بھید ہے۔ اس نے واپس آ کر ملکہ کو سارا حال سنایا۔ تب سے وہ بھی حیران ہو رہی ہے اور جاننا چاہتی ہے کہ کیا ماجرا ہے۔ لہٰذا یہی اپنا مہر مقرر کیا ہے کہ جو شخص اس عجیب و غریب واقعے کی خبر لائے' اسی سے شادی کرے گی اور وہی سارے ملک و مال کا مالک ہوگا۔ اب تم سوچ لو۔ اگر اس سوال کا جواب لا سکو تو بسم اللہ۔ نہیں تو اپنے دیس کو سدھارو۔

میں نے کہا: ''میں فوراً ملک نیم روز کو روانہ ہوتا ہوں' مگر ایک بات میرے دل میں کھٹک رہی ہے۔ وہ یہ کہ شہزادی کے پاس اتنی دولت کہاں سے آئی کہ جو کوئی اس علاقے سے گزرتا ہے۔ ہر ایک اس کی ایسی خاطر کرتا ہے کہ جو بادشاہ نہ کر سکتے اور جب وہ جانے لگتا ہے تو گھر کا سارا سامان اُس کے حوالے کر دیتے ہیں۔ مجھ جیسے نہ جانے کتنے مسافر ادھر سے گزرتے ہوں گے۔ ان سب کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوتا ہوگا۔ اس طرح تو قارون کا خزانہ ہو تو بھی ختم ہو جائے' مگر یہ کیسی دولت ہے کہ ختم ہی نہیں ہوتی۔''

جواب میں اس عورت نے جو قصہ بتایا وہ یوں ہے:

''اس ملک کے بادشاہ کو اللہ نے سات بیٹیاں دی تھیں۔ ایک دن ساتوں بیٹیاں سولہ سنگار کیے، بال بال موتی پروئے باپ کی خدمت میں حاضر تھیں۔ بادشاہ کے جی میں جانے کیا آئی۔ بیٹیوں سے فرمانے لگے۔ تمہارا یہ سارا سنگار اور ساری شان ہمارے دم سے ہے۔ اگر ہماری بیٹیاں نہ ہوتیں تو شہزادیاں نہ کہلاتیں۔''

یہ سن کر چھ بیٹیاں ایک زبان ہو کر بولیں: ''جہاں پناہ درست فرماتے ہیں۔'' لیکن یہ بیٹی جو عقل میں سب سے بڑی مگر عمر میں سب سے چھوٹی تھیں' چپ کھڑی رہیں۔ بادشاہ سلامت کو یہ بات ناگوار گزری۔ انہوں نے غصے سے شہزادی کی طرف دیکھا اور کہا:

''کیوں بی بی! تم کچھ نہ بولیں۔'' وہ ہاتھ جوڑ کر بولی: ''جہاں پناہ! یہ کلمہ کفر کا ہے' جس

خدا نے آپ کو بادشاہ بنایا۔ اُسی نے مجھے شہزادی کہلوایا۔ اس کی قدرت کے کارخانے میں کسی کا کوئی اختیار نہیں چلتا۔ آپ کے پیروں کی خاک میری آنکھوں کا سرمہ ہے' مگر نصیب ہر ایک کا جدا ہے۔"

اس جواب سے بادشاہ ناراض ہوئے' بولے: "چھوٹا منہ بڑی بات۔ اب اس کی سزا یہی ہے کہ جو زیور اس کے ہاتھ گلے میں ہے' اتار لو اور اسے جنگل میں پھینک آؤ' جہاں آدم زاد کا نام نہ ہو۔ دیکھیں اس کے نصیبوں میں کیا لکھا ہے۔"

بادشاہ کے آدمی شہزادی کو ایک ویران جنگل میں ڈال آئے۔ ایک دم میں کیا سے کیا ہو گیا۔ مگر یہ خدا کا شکر ادا کرتی اور کہتی: "تو بڑی قدرت والا ہے۔ تو نے جو چاہا کیا اور جو چاہے گا کرے گا۔ جب تک مجھ میں دم ہے۔ میں تجھ سے مایوس نہیں ہوتی۔"

اسی طرح تین دن تین راتیں بھوکے پیاسے گزر گئیں۔ پھول سا بدن سوکھ کر کانٹا ہو گیا۔ کندن کی طرح دمکنے والا رنگ ہلدی سا ہو گیا' مگر ایک سانس تھی کہ آ اور جا رہی تھی۔ کہتے ہیں جب تک سانس تب تک آس۔

چوتھے دن ایک نورانی صورت فقیر اُدھر سے گزرا۔ اس نے شہزادی کے حال پر بہت افسوس کیا۔ اس کے کشکول میں بھیک کے جو ٹکڑے تھے' وہ اُس نے شہزادی کے آگے رکھ دیئے۔ شہزادی نے کھا کر خدا کا شکر ادا کیا۔ وہ اللہ کا بندہ روز یہی کرنے لگا۔ دن بھر بھیک مانگ کر لاتا' تب شام کو شہزادی کو ایک ٹکڑا مہیا آتا۔

اسی طرح دن گزرتے رہے۔ ایک دن فقیر بولا: "بیٹی! سردی گرمی سے بچنا ضروری ہے' تو ہمت کر کے بنیاد کھود لے' میں دیوار اُٹھا دوں گا۔ شہزادی نے زمین کھودی تو بے حساب خزانہ نکلا۔ محلوں کے نقشے بنوائے گئے اور تعمیر کا کام شروع ہو گیا۔ شاندار عمارتیں اُٹھنے لگیں تو بادشاہ سلامت کو خبر ہوئی۔ وہ حیران ہوئے کہ ویران جنگل میں کون محل بنا رہا

www.pakistanipoint.com

ہے۔ انہوں نے شہزادی کو خط بھیجا کہ ''ہم تمہارا محل دیکھنے آئیں گے اور یہ بھی جاننا چاہیں گے کہ تم کون ہو اور کس دیس سے آئی ہو۔''

شہزادی نے جواب میں لکھا: ''کہ سرکار اپنے مبارک قدموں سے میرے گھر کی عزت بڑھائیں۔''

آخر ایک دن بادشاہ سلامت وہاں تشریف لے گئے اور پوچھا: ''تم کون ہو؟''

شہزادی ان کے قدموں پر گر پڑی اور کہا: ''یہ لونڈی وہی گنہگار ہے جسے آپ کے غصے نے اس جنگل میں پہنچایا اور یہ سب تماشے خدا کے ہیں جو آپ دیکھ رہے ہیں۔''

بادشاہ کے خون نے جوش مارا۔ بیٹی کو محبت سے گلے لگایا۔ فوراً بادشاہ نے ملکہ اور شہزادیوں کو بلا کر ملایا۔ سب کی عید ہوگئی۔ بادشاہ سلامت' ملکہ اور شہزادیاں واپس جانے لگیں تو شہزادی نے انہیں قیمتی تحفوں سے لاد دیا۔ اب تو صورت یہ ہوگئی کہ بادشاہ سلامت کبھی شہزادی کو بلا کر اپنے پاس رکھتے اور کبھی خود سب کے ساتھ آ کر ان کے محل میں رہتے۔ آخر وہ وقت آ پہنچا جو سب کو پیش آتا ہے۔ بادشاہ سلامت نے ان کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ ان کے بعد یہ سارا کاروبار سنبھالنے لگیں۔ اللہ نے دن دوگنی رات چوگنی دولت عطا کی۔ نیت نیک ہو تو اسی طرح برکت ہوتی ہے۔ یہ تھی ساری داستان۔'' اب بتاؤ' ارادہ ہو تو سفر کی تیاری کرو۔ میں نے جواب دیا: ''اب میں روانہ ہوتا ہوں۔'' آخر رخصت ہو کر منزل کی طرف چلا۔

کوئی ایک برس کا سفر طے کر کے میں شہر نیم روز میں جا پہنچا۔ وہاں میں نے سب کو ماتمی لباس پہنے پایا۔ مہینے کی پہلی تاریخ ہوئی تو امیر' غریب' بادشاہ' فقیر سب ایک میدان میں جمع ہوئے۔ میں بھی کھڑا تماشا دیکھتا تھا کہ کیا ہونے والا ہے؟ اتنے میں جنگل سے ایک جوان بیل پر سوار نکلا۔ غصے میں بپھرا ہوا آیا اور وہی کیا جو سوداگر نے شہزادی کو بتایا تھا اور لوٹ گیا۔

www.pakistanipoint.com

میں سکتے میں آ گیا۔ کھڑا دیکھتا رہا۔ جب وہ چلا گیا تو میں پچھتایا کہ اس سے پوچھ لینا چاہیے تھا کہ یہ کیا قصہ ہے۔

گن گن کے دن کاٹے۔ پھر پہلی تاریخ آئی اور وہی سب کچھ ہوا جو پہلے ہوا تھا۔ وہ جوان واپس جانے لگا تو میں اس کے پیچھے ہولیا۔ لوگوں نے بہت روکا مگر میں نہ مانا۔ چلتا رہا۔ اس میں دو چار آدمی میرے پیچھے بھاگے اور مجھے جکڑ لیا۔ اگلے مہینے میں نے یہ کیا کہ پہلے سے جا کر جنگل میں چھپا رہا۔ وہ جوان واپس جانے لگا تو میں بھی اس کے پیچھے ہولیا۔ اُس نے آہٹ پائی تو مڑا اور غصے سے تلوار نکال لی۔ مگر کچھ سوچ کے رک گیا۔ میں نے سلام کیا اور ہاتھ باندھ کے چپ کھڑا رہا۔ اس نے کہا: ''جا کم بخت! تیری زندگی تھی کہ بچ گیا۔''

یہ کہہ کر جڑاؤ خنجر میرے آگے پھینک دیا اور بولا: ''اس وقت میرے پاس کچھ نقد موجود نہیں جو تجھے دوں۔ اس خنجر کو بادشاہ کے پاس لے جا، جو تو مانگے گا ملے گا۔''

مجھ پر اس کی ایسی ہیبت چھائی کہ منہ سے ایک لفظ نہ نکلا۔ پاؤں من من بھر کے ہو گئے۔

وہ جوان مڑا اور پھر روانہ ہو گیا۔ میں نے سوچا یہ وقت پھر ہاتھ نہ آئے گا۔ یہاں رہ جانا برا ہے۔ لہٰذا اپنی جان سے ہاتھ دھو کر میں نے اس کا پھر پیچھا کیا۔ وہ پھر غصے ہوا مگر میں ڈٹا رہا۔ بلکہ میں نے قسم دی کہ ''ایسی تلوار مار کہ میرا بدن دو ٹکڑے ہو جائے۔ میں نے اپنا خون تجھے معاف کیا۔'' وہ بولا: ''اے شیطان کی صورت! کیوں جان دیتا ہے اور کیوں مجھے گنہگار بناتا ہے۔'' یہ کہہ کر پھر چل دیا۔ میں اس کے پیچھے چلتا رہا۔ کوئی دو کوس چلنے کے بعد ایک چار دیواری نظر آئی۔ اس جوان نے دروازے کے پاس پہنچ کر ایک بھیانک آواز نکالی۔ دروازہ خود بخود کھل گیا۔ وہ اندر جا بیٹھا۔ میں باہر کا باہر کھڑا رہ گیا۔ حیران تھا کہ اب کیا کروں۔ اتنے میں غلام آیا کہ ''چل تجھے اندر بلایا ہے۔ شاید تیری زندگی کے دن پورے ہو

www.pakistanipoint.com

گئے ہیں۔"

میں نے کہا: "زہے نصیب!" اور اس کے ساتھ اندر چلا گیا۔

میں نے سامنے پہنچ کر سلام کیا۔ اس نے بیٹھنے کے لئے اشارہ کیا۔ میں ادب سے سر جھکا کر بیٹھ گیا۔ وہ جوان ایک جھاڑ تیار کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر میں اُس کے اُٹھنے کا وقت ہوا۔ جتنے غلام اِدھر اُدھر حاضر تھے، ڈر کر کوٹھریوں میں چھپ گئے۔ وہ جوان اُٹھ کر باغ کے کونے کی طرف گیا اور اپنی سواری کے بیل کو مارنے لگا۔ بیل نے بری طرح چلانا شروع کر دیا۔ جب مارتے مارتے تھک گیا تو لاٹھی پھینک کر اُس کے گلے میں بانہیں ڈال دیں اور اس کا منہ چومنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد وہ وہاں سے اُٹھا اور نماز کے لئے تیار ہو گیا۔ نماز سے فارغ ہوا تو دسترخوان بچھ گیا۔ اس نے مجھے بھی اپنے ساتھ کھانے میں شریک کیا۔ دسترخوان اُٹھ گیا تو مجھ سے مخاطب ہو کر بولا: "اے عزیز! اب بتا تجھ پر کیا آفت آئی ہے جو موت کے پیچھے بھاگتا ہے؟"

میں نے اپنی ساری کہانی سنا دی اور بولا: "اب اس راز سے پردہ ہٹا کر مجھے بھی اپنے احوال سے باخبر کرو۔"

جوان ایک آہ بھر کر بولا: "میں اس ملک نیم روز کا شہزادہ ہوں۔ میں پیدا ہوا تو میرے والد نے جو اس ملک کے بادشاہ ہیں، نجومیوں اور رمالوں کو بلا کر میری آنے والی زندگی کا حال پوچھا۔ سب نے حساب لگا کر بتایا کہ شہزادہ شبھ لگن میں پیدا ہوا ہے۔ سکندر کی سی بادشاہت اور سکندر کا سا انصاف کرے گا۔ جتنے علم اور ہنر ہیں، سب حاصل کرے گا۔ مگر چودہ سال تک آسمان کی طرف سے بڑا خطرہ ہے۔ ڈر ہے کہ جنونی اور سودائی ہو کر رعایا کا بے گناہ خون کرے۔ ایسا بندوبست کرنا ضروری ہے کہ یہ آسمان بلکہ چاند کی طرف بھی نہ

www.pakistanipoint.com

دیکھ سکے۔

"یہ سن کر بادشاہ نے ایک باغ کی تیاری کی۔ بہت سے تہہ خانے بنوائے۔ اوپر ایک برج نمدے کا بنوایا جس میں سے دھوپ چھن چھن کر آئے مگر چاند' سورج اور آسمان دکھائی نہ دیں۔ ہر طرح کا علم اور ہنر سکھانے کے لئے استاد مقرر ہوئے۔ اسی طرح دس برس کی عمر تک ان تہہ خانوں میں پلتا رہا۔

"ایک دن برج کا نمدہ ہٹا اور چار پری زاد ایک تخت اُٹھائے تہہ خانے میں داخل ہوئے۔ تخت پر ایک خوب صورت پری بیٹھی تھی۔ اس نے مجھے اپنے برابر جگاہ دی اور بے تکلف باتیں کرنے لگی۔ میں نے ایسا خوب صورت چہرہ اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ میں اس پر فدا ہو گیا۔ ذرا سی دیر میں ایک پری زاد اور آیا اور اس پری کے کان میں چپکے سے کچھ کہا۔ وہ سنتے ہی اداس ہو گئی۔ بولی: "اور کچھ دیر تیرے پاس بیٹھتی مگر زمانے کی گردش چین نہیں لینے دیتی۔ اب میں جانے پر مجبور ہوں۔ اگر زندگی رہی تو پھر ملاقات ہو گی۔"

یہ سن کر میں سناٹے میں آ گیا اور ذرا دیر میں اس پری کا تخت نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ پھر تو میری بری حالت ہو گئی۔ جنون سا ہو گیا۔ بادشاہ تک یہ خبر پہنچی تو دنیا آنکھوں کے تلے اندھیری ہو گئی۔ چاروں طرف سے حکیم' ملا' وید سیانے بلائے گئے۔ کسی نے دوا پلائی۔ کسی نے تعویز گھول کر پلایا۔ محتاجوں اور فقیروں میں خیرات کی گئی' مگر کچھ نہ بنا۔

آخر ایک سوداگر نے بتایا کہ ملکِ ہندوستان میں دریا کے بیچوں بیچ ایک پہاڑی ہے۔ وہاں ایک گسائیں جٹا دھاری نے مہاریو کا منڈوپ بنایا ہے۔ اسی میں رہتا ہے۔ اس کا قاعدہ ہے کہ شیوراتری کے دن اپنی کٹیا سے نکلتا ہے۔ اپنی علم سے دکھ کے ماروں کی مدد کرتا ہے۔

مجھے اس کے پاس لے جایا گیا۔ سچ مچ بڑا پہنچا ہوا آدمی تھا۔ میں نے بھی سوچا شاید اس

کی مدد سے میری بگڑی سنور جائے۔ میں دن رات اس کی خدمت میں لگا رہا۔ وہ بھی میری خدمت کو دیکھ کر مجھ پر مہربان ہو گیا۔ دن رات مجھے علم اور جادو منتر سکھاتا رہا۔ جب مجھے رخصت کرنے لگا تو ایک پستک دی۔ اس کی کرامت یہ تھی کہ جن بھوت قابو میں آ جاتے تھے اور بال بیکا نہ کر سکتے تھے۔

غرض میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر اپنے دیس کو لوٹا۔ میرا باپ خوشی سے پھولا نہ سمایا۔ میں ضد کر کے پھر اُسی تہہ خانے میں رہنے لگا۔ وہاں رہ کر میں نے عمل کرنا شروع کیا۔ چالیسویں دن زور کی آندھی آئی اور پری زادوں کا ایک لشکر تہہ خانے میں داخل ہوا۔ ان کے پیچھے ایک رعب دار شخص تخت پر سوار داخل ہوا۔

میں نے ادب سے سلام کیا، اس نے کہا: ''اے عزیز! تو نے یہ کیا اودھم مچایا ہے۔ عمل کے زور سے مجھے یہاں بلانے کا کیا مطلب؟''

''میں نے جواب دیا: ''میں تمہاری بیٹی سے ملاقات کرنے کے لئے بے چین ہوں۔''

اس نے کہا: ''تیری یہ خواہش پوری ہو جائے گی' مگر ایک شرط ہے تو اس کے چہرے سے نقاب کبھی نہ اُلٹے گا۔ اگر غلطی سے کبھی ایسا کیا تو اُس پستک سے ہاتھ دھو بیٹھے گا' جس کی وجہ سے ہم سب تیرے فرماں بردار ہیں۔

''میں نے نقاب نہ الٹنے کا وعدہ کر لیا۔ اتنے میں پھر آندھی سی چلی اور وہ حسین پری ایک تخت پر آتی دکھائی دی۔ جب وہ پاس آ گئی تو اس کا باپ واپس چلا گیا۔ اب ہم دونوں لگاتار باتیں کرتے رہتے' مگر بار بار جی چاہتا کہ نقاب الٹ کر اس کا چاند سا مکھڑا جی بھر کے دیکھوں۔ وہ پری فوراً وعدہ یاد دلا دیتی ہے اور میں ہاتھ ہٹا لیتا۔ ایک دن جی نہ مانا اور میں نے نقاب الٹ ہی دی۔ ایک دم ایک دیو ظاہر ہوا اور اُس نے وہ پستک میرے ہاتھ سے چھین لی۔

www.pakistanipoint.com

''یہ دیکھ کر وہ پری بے ہوش ہوگئی اور پری زاد اُسے اُٹھا لے گئے۔ اس دن سے میں نے یہ حالت بنائی ہے۔ میرے کہنے پر ایک مصور نے اس پری کی تصویر بنا دی ہے۔ اُسے زمرد کے جھاڑ میں سجا کر لے جاتا ہوں۔ ایک غلام وہ تصویر سب کو دکھاتا ہے۔ جب وہ واپس لوٹتا ہے تو میں اس کی گردن اڑا دیتا ہوں۔ یہ سب اس لئے کرتا ہوں کہ لوگ میری حالت دیکھ کر ترس کھائیں۔ ممکن ہے' اللہ کا کوئی نیک بندہ میرے حق میں دعا کرے اور میری مشکل آسان ہو۔ اے دوست! میری دیوانگی کی حقیقت یہ ہے' جو میں نے پوری کہہ سنائی۔''

اُس کی درد بھری کہانی سن کر میری آنکھوں میں آنسو بہنے لگے۔ میں نے قسم کھائی کہ دنیا کی خاک چھان ڈالوں گا اور کوئی ایسی تدبیر ڈھونڈ نکالوں گا کہ تیری مراد پوری ہو۔ آخر اس سے رخصت ہو کر جنگل جنگل مارا پھرا مگر کوئی صورت نظر نہ آئی۔ آخر سوچا پہاڑ پر چڑھ کر کود پڑوں اور جان دے دوں۔ اتنے میں وہی برقعہ پوش سوار آ پہنچا اور بولا: ''مفت میں اپنی جان نہ کھو۔ تھوڑے ہی دنوں میں کامیابی تیرے قدم چومے گی۔''

اب آس بندھی ہے کہ ہم چاروں ملے ہیں تو ہماری مرادیں بھی پوری ہوں گی۔

☆☆☆

www.pakistanipoint.com

بادشاہ آزاد بخت کا قصہ

جب دوسرے درویش نے اپنا قصہ ختم کیا تو رات گزر چکی تھی۔ آزاد بخت چپ چاپ اُٹھ آیا۔ محل میں آ کر نماز پڑھی۔ پھر نکل کر تخت پر بیٹھا اور چوبداروں کو بھیج کر چاروں درویشوں کو بلایا۔ وہ بیچارے پہلے تو ڈرے' پھر خیال آیا شاید یہ وہی بادشاہ ہو' جس سے ملنے کے بعد سب کی مرادیں پوری ہونے والی ہیں۔ اس خیال سے خوش ہوئے اور بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ بادشاہ نے ان کی خاطر کی اور کہا کہ ''سب اپنا اپنا قصہ سناؤ۔''

فقیروں نے جواب دیا: ''ہم پر جو کچھ بیتا ہے' وہ سنانے کی ہم میں طاقت نہیں اور نہ بادشاہ کے پاس اُسے سننے کے لئے وقت ہوگا۔''

بادشاہ نے مسکرا کر کہا۔ رات جب تم اپنا اپنا حال کہتے تھے تو میں بھی وہیں چھپا سن تھا۔ دو درویشوں پر جو بیتی وہ تو سن چکا ہوں' اب چاہتا ہوں کہ باقی دو بھی اپنی اپنی کہانی سنائیں۔'' مگر ان بیچاروں میں اتنی طاقت کہاں تھی' جو بادشاہ کے آگے زبان کھولتے۔ بادشاہ نے دیکھا کہ وہ ڈر کے مارے چپ ہیں تو کہا: ''اس دنیا میں کوئی ایسا نہیں جس کے ساتھ کوئی عجیب وغریب واردات پیش نہ آئی ہو۔ میں بادشاہ ہوں' لیکن میں نے بھی ایک ایسا تماشا دیکھا ہے کہ پہلے میں ہی اس کا بیان کرتا ہوں۔''

www.pakistanipoint.com

آزاد بخت نے کہا: ''اپنے والد بزرگوار کے بعد میں روم کے اس تخت پر بیٹھا۔ ایک دن بدخشاں کے ملک سے ایک سوداگر آیا جو مجھے تحفہ کے طور پر پیش کرنے کے لئے طرح طرح کی چیزیں لایا تھا۔ ان میں ایک لعل بھی تھا۔ چمکدار اور خوش رنگ' وزن اس کا پانچ مثقال تھا۔ میں نے ایسا لعل اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ اسے پا کر بہت خوش ہوا اور سوداگر کو بہت سا انعام دے کر رخصت کیا۔ اُس دن سے میری یہ عادت ہوگئی کہ اس لعل کو ہر روز خزانے سے منگوا کر دیکھا کرتا۔

ایک روز دربار عام سجا ہوا تھا۔ امیر، وزیر سب حاضر تھے اور ہر ملک کے ایلچی بھی موجود تھے۔ میں نے روز کی طرح وہ لعل منگوا کر دیکھا۔ سب نے بڑھ چڑھ کے تعریف کی۔ وزارت کی کرسی پر میرا وزیر کھڑا تھا۔ یہ ہوشیار' تجربہ کار آدمی تھا اور میرے والد بزرگوار کے وقت سے یہ خدمت اس کے سپرد تھی۔ وہ اجازت لے کر بولا:

''سرکار عالیٰ! آپ بادشاہ ہیں اور بادشاہوں کے لئے مناسب نہیں کہ کسی پتھر کی اتنی تعریف کریں۔ ملک ملک کے ایلچی اس وقت حاضر ہیں۔ یہ لوگ جا کر اپنے ملک میں یہ حال کہیں گے اور سننے والے ہنسیں گے۔ نیشاپور میں ایک سوداگر ہے۔ اس نے اپنے کتے کے گلے میں ایک پٹہ ڈال رکھا ہے' جس میں بارہ لعل جڑے ہیں اور ایک ایک لعل سات سات مثقال کا ہے۔''

یہ سن کر میں بڑا گھسیانا ہوا اور حکم دیا کہ اس وزیر کی گردن اُڑا دی جائے۔ میرا حکم سن کر ایک فرنگی ایلچی ہاتھ جوڑ کر بولا کہ ''ابھی وزیر کو قید کا حکم ہو۔ کیا پتہ اس کی بات درست ہو۔ اگر اس کا بیان غلط نکلے تو بے شک اس کی گردن اُڑا دی جائے۔''

یہ بات میری سمجھ میں آئی اور میں نے اس کے مشورے کو قبول کر لیا۔ چنانچہ وزیر کو اس وقت قید خانے میں ڈال دیا گیا۔

www.pakistanipoint.com

وزیر کے قید ہونے کی خبر اس کے گھر پہنچی تو کہرام مچ گیا۔ وزیر کی ایک بیٹی تھی' کوئی چودہ پندرہ برس کی ہوگی' مگر بڑی لائق اور بڑی ہونہار اور صورت کی بھی بہت پیاری۔ اس وقت وہ اپنی ہم جولیوں کے ساتھ بیٹھی گڑیا کا بیاہ رچا رہی تھی۔ کڑھائی چڑھی ہوئی تھی۔ گانے گائے جا رہے تھے۔ ڈھولک بج رہی تھی۔ اچانک اس کی ماں روتی پیٹتی' بال کھولے' ننگے پاؤں اس کے پاس آئی اور اس کی پیٹھ پر دو تھپڑ مار کے کہنے لگی: ''کاش تیرے بدلے خدا مجھے اندھا بیٹا دیتا۔ اس وقت باپ کے کام تو آتا اور اسے قید سے چھڑانے کی تدبیر کرتا۔''

بیٹی نے پوچھا: ''اندھا بیٹا تمہارے کس کام آتا اور میرے باپ کا خدا نہ کرے' قید سے کیا تعلق؟'' اس پر ماں نے اُسے ساری بات بتائی۔ ''اُسی رات وزیر زادی نے سوداگر کا بھیس بنایا اور چپ چاپ ایک بوڑھے نوکر کو ساتھ لیا اور نیشاپور کے لئے روانہ ہوگئی۔ وہاں پہنچ کر کارواں سرائے میں سامان رکھا اور خود سوداگر بچے کے روپ میں گھومتی پھرتی چوک میں جا نکلی۔

وہاں ایک جوہری کی دکان میں عجب تماشا دیکھا۔ بوڑھا جوہری شاندار لباس پہنے بیٹھا ہے اور اس کے آگے قیمتی جواہرات کا انبار لگا ہوا ہے۔ ایک طرف بڑے بڑے دو پنجرے رکھے ہیں۔ اُن میں دو آدمی قید ہیں' جو سر جھکائے بیٹھے ہیں۔ دوسری طرف ایک عمدہ سا قالین بچھا تھا ہے۔ اس پر ایک کتا بیٹھا ہے۔ گلے میں لعل پڑا ہوا ہے۔ خدا کا شکر ادا کیا کہ منزل تو ملی۔ اب یہ فکر تھی۔ کہ یہ سارا تماشا بادشاہ کو کیسے دکھایا جائے' جو میرے باپ کو قید سے چھٹکارا ملے۔

اتنے میں جوہری کی نظر اس نقلی سوداگر بچے پر پڑی۔ بڑا پیار آیا۔ آدمی بھیج کر پاس بلایا۔ ایسا سلوک کیا جیسے باپ بیٹے سے کرتا ہے کیونکہ اس بیچارے کے اولاد نہ تھی۔ حال پوچھا تو سوداگر بچے نے بتایا کہ ''میرا وطن روم ہے۔ میرے والد سوداگر ہیں' مگر اب

بوڑھے ہو گئے ہیں۔ اس لئے مجھے تجارت کا سامان جو سوداگر بچہ اپنے ساتھ لایا تھا' وہ بھی جوہری نے اپنے ملازموں کے ذریعے بڑے نفع سے بکوا دیا۔ اس عرصے میں سوداگر بچے نے کئی بار کتے اور ان آدمیوں کا حال جاننا چاہا' مگر جوہری نے ٹال دیا۔

ایک دن جوہری نے سوداگر بچے سے کہا: ''اللہ نے مجھے سب کچھ دیا ہے' مگر اولاد نہیں دی۔ اب میں تجھی کو اپنا بیٹا سمجھتا ہوں۔ میرا کل کاروبار اب تو ہی سنبھال اور مجھے اجازت دے کہ کونے میں بیٹھا اللہ اللہ کروں۔ تیرا جی چاہے تو ملازموں کو بھیج کر اپنے ماں باپ کو بھی یہیں بلا لے۔''

یہ سن کر سوداگر بچہ بناوٹ سے رونے لگا: ''آپ نے مجھے بیٹے سے زیادہ سمجھا اور ہر طرح میرا خیال رکھا۔ جی نہیں چاہتا کہ ایک دم کو آپ کے قدموں سے جدا ہوں' مگر مجبور ہوں۔ والد نے ایک برس میں لوٹ آنے کا حکم دیا تھا۔ اب گھر کے لوگ بھی یاد آتے ہیں اور وطن بھی۔ اب اجازت دیجئے کہ میں آپ سے رخصت ہوں۔ جب تک دم میں دم ہے' آپ کا احسان گردن پر رہے گا اور ہمیشہ دل و جان سے آپ کو یاد کروں گا۔ ممکن ہے پھر کبھی آپ کی قدم بوسی کا موقع ملے۔''

ایسی باتیں سن کر تو وہ اور بھی گرویدہ ہوا۔ بولا: ''اگر تیرا جانا ضروری ہے تو بیٹا! میں بھی تیرے ساتھ چلوں گا۔'' اُسی وقت سے سفر کی تیاری شروع ہوئی۔ جوہری کے ساتھ پورا لاؤ لشکر تھا۔ وہ کتا بھی ساتھ تھا' جس کے گلے میں لعل تھا اور وہ دونوں پنجرے بھی ساتھ تھے' جن میں دو آدمی بند تھے۔ آخر یہ قافلہ روانہ ہو کر سوداگر بچے کے وطن جا پہنچا اور شہر کے باہر پڑاؤ کیا۔

سوداگر بچہ اپنے گھر پہنچا۔ لوگ حیران تھے کہ یہ غیر جوان گھر میں کیوں گھسا آیا ہے۔ آخر ماں نے پہچانا اور برا بھلا کہا۔ اُس بیچاری نے بدنامی کے ڈر سے بیٹی کے غائب ہو

www.pakistanipoint.com

جانے کا حال کسی سے نہ کہا تھا۔ ہر وقت چپکے چپکے روتی رہتی تھی۔ بیٹی نے سارا ماجرا سنایا تو وہ خوشی سے پھولی نہ سمائی۔

ادھر مجھے خبر پہنچی کہ ایک قافلہ شہر کے باہر آ کر رُکا ہے۔ اس کے سردار نے بھلے مانسوں کو پنجروں میں بند کیا ہے اور کتے کے گلے میں قیمتی پٹا ڈالا ہوا ہے' جس میں لعل جڑے ہیں اور کتے کا جھوٹا کھانا ان دونوں قیدیوں کو کھلاتا ہے۔ مجھے یہ سن کر بڑا غصہ آیا۔ فوراً جوہری کو پکڑوا کر بلوایا۔ حکم دیا کہ فوراً گردن اُڑا دی جائے۔ فرنگی ایلچی نے پھر عرض کیا کہ ''حال پوچھے بغیر کسی کی جان لینی مناسب نہیں۔''

مجھے بھی خیال آیا کہ وجہ تو پوچھوں۔

اس سے پوچھا: ''سچ کہہ' تو نے یہ کیا تماشا بنا رکھا ہے۔''

پہلے تو وہ بات چھپاتا رہا پھر دیکھا کہ وجہ بتائے بغیر جان بچنے والی نہیں تو بولا: ''پہلے میں وہ دونوں پنجرے منگوا کے پاس رکھ لوں' تب قصہ سناؤں۔''

میں نے کہا: ''مناسب ہے۔'' اس نے وہ دونوں پنجرے منگا کے دونوں قیدیوں کو باہر نکالا اور اپنے دائیں بائیں کھڑا کر لیا اور بولا:

''اے بادشاہ! جو آدمی میرے داہنی طرف کھڑا ہے' میرا بڑا بھائی ہے اور جو بائیں طرف ہے یہ میرا منجھلا بھائی ہے۔ ہمارے باپ کا انتقال ہوا تو میری عمر بہت کم تھی۔ ان دونوں بھائیوں نے جائیداد بانٹنی چاہی۔

میں نے کہا: ''میں اپنا حصہ کیسے سنبھالوں گا۔ تم دونوں ساری جائیداد سنبھالو اور میری پرورش کرو۔'' اس پر یہ لوگ مجھے قاضی کے پاس لے گئے اور میں نے اس کے سامنے دستخط کر دیئے کہ مجھے کوئی حصہ نہیں چاہیے۔ ان کی نیت تو پہلے ہی خراب تھی۔ کچھ دنوں بعد مجھ سے کہا ''یہاں جگہ تنگ ہے' تم اور مکان کرائے کا لے کر اُس میں رہو۔''

www.pakistanipoint.com

میں نے ایسا ہی کیا۔ ایک کتا جسے میں نے بچپن سے پالا تھا' میرے ساتھ چلا آیا اور میں ایک کرائے کے مکان میں رہنے لگا۔

اب ہر وقت یہ فکر تھی کہ کیا کروں۔ روپیہ پیسہ پاس نہ تھا۔ لے دے کر کچھ چھوٹے موٹے تحفے تھے۔ میں اپنے باپ کا سب سے چھوٹا بچہ تھا۔ اس لئے وہ جب کہیں جاتے' میرے لئے کوئی کھلونا یا کوئی نہ کوئی اور چیز ضرور لے کر آتے۔ مجبور ہو کر میں نے ان سب کو بیچا اور چھوٹی سی ایک دکان لے لی۔ اللہ کا ایسا کرم ہوا کہ دکان چل نکلی۔ کاروبار بڑھتا رہا اور میں لاکھوں کا آدمی ہو گیا۔

ایک دن میرا غلام سودا سلف لینے بازار گیا ہوا تھا۔ وہ گھبرایا ہوا آیا اور بولا: ''بازار میں تمہارے بھائیوں کو ایک یہودی نے رسیوں میں جکڑ وا رکھا ہے اور مار مار کر اس کی جان نکال رہے ہیں۔ ان کے بچانے کی کچھ تدبیر کرو' ورنہ قیامت کے دن خدا کو کیا منہ دکھاؤ گے۔''

خون نے جوش مارا تو ننگے پاؤں بازار کی طرف بھاگا چلا گیا۔ فوراً روپیہ منگوا کر اس سود خور یہودی کا قرضہ چکایا اور ان کم بختوں کو چھڑا کر گھر لایا۔ ان دونوں کی بری حالت ہو رہی تھی' نہ تن پر کپڑا تھا' نہ پیر میں جوتا' فاقوں کے مارے برا حال تھا۔ میں نے حمام میں نہلوایا' عمدہ پوشاکیں پہنوائیں' کھانے کا بندوبست کیا۔ ان سے پوچھیں سرکار! سب درست ہے یا نہیں؟

وہ دونوں سر جھکائے کھڑے رہے۔ جوہری نے ایک لمحہ رک کر پھر قصہ شروع کیا۔ بولا:

''کچھ دن آرام کے بعد ان کی حالت اچھی ہو گئی۔ میں نے سوچا کوئی اور صورت نکلے کہ یہ دونوں اپنے پیروں پر کھڑے ہو جائیں۔ اسی دوران پتہ چلا کہ سوداگروں کا ایک قافلہ بخارا کو جاتا ہے۔ میری سمجھ میں یہ آیا کہ ان دونوں کو تجارت کا سامان دے کر قافلے کے

www.pakistanipoint.com

ساتھ روانہ کردوں۔ میں نے ان سے پوچھا تو یہ راضی ہو گئے۔ میں نے ہزاروں روپے کا سامان دے کر ان دونوں کو روانہ کر دیا اور سمجھا اب یہ آرام کی زندگی گزارنے لگیں گے۔

ایک برس بعد سوداگروں کا وہ قافلہ لوٹ آیا۔ ایک ایک سے اپنے ان بھائیوں کا حال پوچھا کسی نے کچھ نہ بتایا۔ آخر یہ پتہ چلا کہ دونوں جوئے میں اپنا مال ہار گئے۔ جب کچھ نہ رہا تو ایک نے جھاڑو دینے کی ملازمت کر لی۔ دوسرا مزدوری کا کام کرنے لگا۔

سرکار! پھر دل نہ مانا۔ کھانا پینا مشکل ہو گیا۔ چنانچہ خود بخارا گیا۔ بڑی مشکل سے انہیں ڈھونڈا اور پھر آدمیوں کی شکل میں گھر لایا۔ دو چار دن رہا' کچھ تجارت کا سامان خریدا اور کشتی میں سوار ہو کر گھر کو روانہ ہوا۔ میرا وفادار کتا بھی میرے ساتھ تھا۔ راستے میں ان دونوں کی نیت پھر خراب ہوئی۔ آپس میں صلاح مشورہ ہوا تو طے یہ پایا کہ مجھے مار ڈالیں اور میرا سارا سامان ہتھیا لیں۔

اب انہوں نے میری جان لینے کی ترکیب سوچی۔ ایک دن میں آرام سے پڑا سو رہا تھا کہ منجھلا بھائی دوڑا ہوا آیا اور مجھے جلدی سے جگایا۔ میں ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا اور اس کے ساتھ آیا۔ کتا بھی میرے ساتھ ہو لیا۔ دیکھا کہ بڑا بھائی جہاز کی دیوار پر ہاتھ ٹیکے دریا میں جھکا کچھ دیکھ رہا ہے اور مجھے پکارتا جاتا ہے۔

میں نے پاس جا کر کہا: ''خیر تو ہے؟'' عجب طرح کا تماشا ہو رہا ہے۔ دریائی آدمی موتی کی سیپیاں اور مونگے کے درخت ہاتھ میں لئے ہوئے ناچ رہے ہیں۔''

یہ بات ایسی تھی کہ اور کوئی کہتا تو نہ مانتا' مگر بڑے بھائی کو جھوٹا کیسے کہتا۔ میں بھی جھک کر دیکھنے لگا۔ بہت آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا کچھ دکھائی نہ دیا۔ ''وہ برابر یہی کہتا رہا۔'' اب دکھائی دیا۔'' مگر کچھ ہوتا تو دکھائی دیتا۔

اتنے میں مجھے بے خبر پا کر اس منجھلے بھائی نے مجھے ایسا دھکا دیا کہ میں دریا میں جا گرا اور

www.pakistanipoint.com

یہ دونوں چیخنے چلانے لگے۔ دوڑ' بچاؤ' ہمارا بھائی دریا میں گر پڑا۔''

ذرا دیر میں مجھے دریا کی لہر کہیں سے کہیں لے گئی اور میں جہاز سے بہت دور جا پہنچا۔ تھوڑی دیر تو میں موجوں سے لڑتا رہا پھر نڈھال ہو کر اللہ کو یاد کرنے لگا۔ اتنے میں کسی چیز سے ہاتھ ٹکرایا۔ دیکھا تو میرا وفادار کتا تھا۔ یہ مجھے گرتے دیکھ کر خود بھی کود پڑا تھا اور مجھے بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال دیا۔ آخر بڑی مشکل سے کنارے لگا' مگر حالت یہ تھی کہ ذرا دیر میں بے ہوش ہو گیا۔

دوسرے دن ذرا جان آئی تو وہاں سے کھڑا ہو کر چلا۔ آخر بھوکا پیاسا ایک نہر میں جا نکلا۔ حلوائیوں اور نان بائیوں کی دکانیں جگہ جگہ موجود تھیں' مگر جیب میں ایک کوڑی نہ تھی۔ بھیک مانگتے شرم آتی تھی' مگر بھوک ہاتھ پھیلانے پر مجبور کرتی تھی۔ اسی پریشانی میں چلا جاتا تھا۔ سامنے سے دو آدمی اپنے دیس کا لباس پہنے آتے دکھائی دیئے۔ ذرا جان میں جان آئی کہ جاننے والے نکلے تو کچھ قرض مانگ لوں گا۔ پاس آئے تو دیکھا کہ دونوں اپنے سگے بھائی ہیں۔ خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے آبرو رکھ لی۔ غیر کے آگے ہاتھ نہ پھیلانا پڑا۔

میں نے بڑھ کر سلام کیا اور بڑے بھائی کے پیر پکڑ لئے' مگر وہ دونوں شور کرنے لگے۔ منجھلے بھائی نے میرے ایسی لات ماری کہ میں اوندھے منہ گر پڑا۔ اس طرح دونوں نے میرے ساتھ وہ سلوک کیا جو حضرت یوسف کے ساتھ ان کے بھائیوں نے کیا تھا۔ میں روتا اور خوشامد کرتا رہا۔ وہ لاتوں اور گھونسوں سے مجھے پیٹتے رہے۔ اتنے میں اچھی خاصی بھیڑ جمع ہو گئی۔

لوگوں نے پوچھا: ''کیا قصہ ہے؟''

اس پر بڑے بھائی نے جواب دیا: ''یہ حرام زادہ ہمارے بھائی کا نوکر تھا۔ اس نے موقع پا کر ایک دن ہمارے بھائی کو دریا میں ڈال دیا اور سارے سامان پر قبضہ جما لیا۔ آج یہ ہاتھ

آیا ہے۔"

پھر میری طرف منہ کر کے بولا: "ارے ظالم! یہ بتا کہ میرے بھائی نے تیرا کیا بگاڑا تھا کہ تو نے اس کے ساتھ یہ سلوک کیا؟"

یہ کہہ کہہ کے روتا جاتا تھا اور مجھ پر لات گھونسے برساتا جاتا تھا۔

آخر مجھے کوتوال کے پاس لے جایا گیا۔ وہ بھی ان دھوکے بازوں کا مددگار بن گیا۔ پھر مجھے حاکم کی عدالت میں پیش کیا گیا۔ اب میری یہ حالت تھی کہ زبان نہ کھلتی تھی۔ اُسے بھی یقین ہو گیا کہ یہ ضرور خونی ہے۔ ان دونوں نے رشوت الگ دی۔

حاکم نے حکم دیا: "اُسے میدان میں لے جا کر سولی پر لٹکا دو۔" اس کتے کے سوا اس وقت کوئی میرے حال پر رونے والا نہ تھا۔

موت سے بچنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ میں ہر وقت خدا کو یاد کرتا اور اس سے مدد مانگتا تھا۔ اتفاق سے بادشاہ سخت بیمار ہو گیا۔ اس کے لئے جگہ جگہ دعائیں کی گئیں، خیرات کی گئی قیدیوں کو آزاد کیا گیا۔ اس طرح مجھے بھی چھٹکارا مل گیا اور میری بھی جان بچ گئی۔

بادشاہ سلامت! ان دونوں کو پتہ چلا کہ میں بچ نکلا تو بہت پریشان ہوئے۔ حاکم اور کوتوال پہلے ہی رشوت کھا چکے تھے۔ سب مل کر میری جان کے درپے ہوئے۔ کوتوال نے کہا "اب کے ایسی ترکیب کروں گا کہ بچ نہ سکے۔ ایسی جگہ قید کروں گا کہ کسی کو خبر نہ ہو اور بھوکا پیاسا مر جائے۔"

شہر سے باہر کوئی ایک کوس پر اونچا سا پہاڑ تھا۔ حضرت سلیمان کے زمانے میں وہاں دیوؤں نے ایک گہرا کنواں کھودا تھا اور زندان سلیمان نام رکھا تھا۔ بادشاہ جسے سخت سزا دینا چاہتا اُسے اس کنوئیں میں ڈال دیا جاتا اور وہ آپ ہی آپ مر جاتا۔ غرض یہ دونوں اور کوتوال ڈنڈے مارتے ہوئے مجھے پہاڑ پر لے گئے اور مجھے اُس تنگ و تاریک خوفناک

www.pakistanipoint.com

کنوئیں میں ڈال دیا۔ اس کتے نے یہاں بھی میرا ساتھ نہ چھوڑا اور کنوئیں جگہ پر پڑا رہا۔ میں کنوئیں کے اندر بے ہوش پڑا تھا۔ ہوش آیا اور اِدھر اُدھر ٹٹولا تو مردوں کی ہڈیاں ہاتھ میں آئیں۔

ذرا دیر میں کھسر پھسر کی آواز سنائی دی۔ پھر اوپر سے کسی نے رسی میں باندھ کر کچھ لٹکایا اور میرے پاس ہی چپڑ چپڑ کوئی کچھ کھانے لگا۔

میں نے پوچھا: ''تم کون ہو؟''

کسی نے جواب دیا: ''ہم دو آدمی یہاں قید ہیں اور یہ زندان سلیمان ہے۔''

میں نے پوچھا: ''کیا میں ابھی زندہ ہوں؟'' وہ ہنس کر بولے: ''ہاں اب تک تو زندہ ہے پر اب مرے گا۔'' میں نے کہا: ''مجھے بھی ایک ٹکڑا کھانے کو دے دو۔'' مگر انہوں نے ڈانٹ کر منع کر دیا۔

میرے کتے کو میری بھوک پیاس کا ضرور خیال تھا۔ اس نے دیکھا کہ کوئی آدمی روٹی لے کر آتا ہے اور اپنے ساتھی کو ڈال دیتا ہے۔ اسے خیال آیا کہ میں بھی یہی کروں۔ اس نے شہر میں جا کر کسی دکان سے روٹی اُٹھائی اور اوپر سے میرے لئے پھینک دی۔ ایک دن روٹی پھینک کر پانی کی تلاش میں گیا۔

پاس ہی ایک گاؤں تھا۔ اس کے کنارے کسی بڑھیا کی جھونپڑی تھی۔ وہاں ایک گھڑا پانی سے بھرا رکھا تھا۔ بڑھیا پاس بیٹھی چرخہ کات رہی تھی۔ کتا لوٹے کے نزدیک گیا۔ چاہا کہ لوٹے کو اُٹھا لے۔ عورت نے ڈانٹا' لوٹا اُس کے منہ سے چھوٹا۔ گھڑے پر گرا۔ مٹکا پھوٹا۔ سارے برتن لڑھک گئے۔ بڑھیا لکڑی لے کر مارنے اٹھی۔ یہ کتا اس کے دامن سے لپٹ گیا۔ اُس کے پاؤں پر منہ ملنے اور دُم ہلانے لگا۔ بار بار پہاڑ کی طرف دوڑتا۔ پھر اس کے پاس آ کر کبھی رسی اُٹھاتا' کبھی ڈول پکڑتا اور اُس کے قدموں پر منہ رگڑتا۔ چادر کا پلو پکڑ کر

www.pakistanipoint.com

کھینچتا۔ خدا نے اس کے دل میں رحم ڈال دیا' وہ سمجھ گئی کہ اس کتے کا مالک کہیں پیاسا تڑپ رہا ہے۔ وہ پانی کا لوٹا بھر کے کتے کے پیچھے چلی۔ یہ اسے کنوئیں تک لایا۔ اس نے رسی سے وہ لوٹا لٹکایا تو میں نے پیاس بجھائی۔ اس طرح یہ کتا میری بھوک پیاس مٹاتا رہا۔ لیکن قید خانے میں پڑے پڑے میری حالت خراب ہوگئی۔ گھل گھل کر ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا۔ ہر وقت منہ سے یہ دعا نکلتی کہ یا الٰہی اب تو یہ دم نکل جائے اور دُکھوں سے چھٹکارا ملے۔

ایک رات کو دونوں قیدی سو رہے تھے۔ میری آنکھ نہ لگی تھی۔ کسی نے اوپر سے رسی لٹکائی اور کہا کہ ''اس کا سرا مضبوطی سے تھام لے اور یہاں سے نکل۔''

میں سمجھا بھائیوں کے خون نے جوش مارا اور آخر مجھے نکالنے آئے۔ میں رسی کے سہارے باہر نکلا۔ اندھیری رات میں میں اپنے اس ہمدرد کو پہچان نہ سکا۔ دو گھوڑے پہلے سے تیار تھے۔ اس نے ایک پر مجھے سوار کیا اور دوسرے پر خود چڑھا۔ ہم دونوں چلتے چلتے ایک دریا کے کنارے جا پہنچے۔

اتنے میں اُجالا پھیل گیا۔ اس نے میری طرف دیکھا تو غصے سے دانت پیسنے لگا۔ تلوار نکال کر چاہا کہ مجھ پر حملہ کرے۔ جان ایسی پیاری ہوتی ہے کہ میں اُس کے قدموں میں گر کر گڑگڑانے لگا اور کہا کہ ''بھائی! تو نے میری جان بچائی۔ قید سے چھٹکارا دلایا۔ آخر اب تیرے جی میں کیا آئی کہ مجھے بے قصور مارنے کے لئے آمادہ ہوگیا۔'' میری خوشامد کا اثر ہوا اور اس نے تلوار نیام میں رکھ لی۔ پھر مجھ سے پوچھا کہ ''یہ بتا تو ہے کون اور کس گناہ میں قید ہوا تھا؟'' میں نے اپنا سارا حال شروع سے آخر تک کہہ سنایا۔

میرا حال سن کر وہ نوجوان رونے لگا۔ پھر بولا: ''اے جوان! اب میرا ماجرا سن۔''

''میں زیرباد کے راجا کی لڑکی ہوں۔ دو جوان جو کنوئیں میں قید ہیں۔ ان میں ایک میرے باپ کے وزیر کا بیٹا بہرہ مند اور دوسرا اس کا دوست ہے۔ میں بہرہ مند پر ریجھ گئی

اور اُسے دھراہر میں بلانے لگی۔ ایک دن وہ آ رہا تھا کہ چوکیداروں نے اُسے پکڑ کے میرے باپ کے سامنے پیش کر دیا۔ انہوں نے حکم دیا کہ اسے چاہ سلمان میں قید کیا جائے۔ چنانچہ اُسے اور اُس کے ایک ساتھی کو جو اس کی حفاظت کے لئے آ رہا تھا' کنوئیں میں ڈال دیا گیا۔ خدا نے میری عزت رکھی اور کسی نے یہ نہ پوچھا کہ آخر یہ جوان راجا کے گھر میں کیوں گھس رہا تھا۔ اس دن سے چوری چھپے ان دونوں کو اَن اور جل پہنچا دیتی ہوں۔ آج سوچا تھا کہ اُسے نکالوں اور کسی طرف کو منہ اُٹھا دوں مگر قسمت کا لکھا مٹتا نہیں۔ اب لوٹ کے اپنے وطن بھی نہیں جا سکتی اور یہاں کون ہے جو میری مدد کرے۔"

میں نے کہا: "مجھے اپنی غلامی میں قبول کرو۔"

آخر وہ بیچاری راضی ہو گئی۔ پھر ہم دونوں آگے چلے۔ ایک شہر آیا جو زیرباد اور سراندیپ کے درمیان تھا۔ یہاں کی آب و ہوا اچھی تھی۔ ہم دونوں شادی کر کے یہاں رہنے لگے اور تجارت کا کام پھیلایا۔ اللہ کے کرم سے خوب کام چلا۔

ایک دن میں وزیر اعظم کو سلام کرنے جا رہا تھا۔ ایک میدان میں بھیڑ دیکھی۔ پوچھا تو پتہ چلا کہ دو آدمی چوری اور قتل کی سزا میں پھانسی پر چڑھائے جا رہے ہیں۔ مجھے خیال آیا کہ ایک دن مجھے بے خطا سولی پر چڑھایا جا رہا تھا۔ ذرا چل کر دیکھ' کوئی بے گناہ نہ ہو۔ وہاں پہنچا اور بھیڑ کے اندر گھس کر دیکھا تو میرے یہی دونوں بھائی رسیوں میں جکڑے کھڑے تھے۔ کوشش کر کے اور حاکم کی خوشامد کر کے انہیں بچایا۔

"جہاں پناہ! ان سے پوچھیں، سچ کہتا ہوں یا جھوٹ بولتا ہوں۔"

وہ دونوں سر جھکائے کھڑے رہے۔ جوہری نے اپنی بات جاری رکھی کہنے لگا:

"پھر میں ان دونوں کو اپنے گھر لایا۔ لباس تیار کرایا۔ رہنے کو اچھی جگہ دی۔ اس بار ذرا احتیاط رکھی۔ کچھ دن یہ بہت اچھی طرح رہے۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اب یہ ٹھیک ہو

PakistaniPoint
www.pakistanipoint.com

گئے۔کھانے کے بعد ایک دن بڑے بھائی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

میں نے پوچھا خیر تو ہے؟ بولے: وطن یاد آ رہا ہے۔ میں نے کہا ٹھیک ہے' میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔لوگوں کو پتہ چلا تو بڑا قافلہ جمع ہو گیا۔

مجھے بے خبر پا کر ان دونوں نے تلواریں نکال لیں اور مجھ پر وار کرنے لگے۔میرے کتے نے مجھے بچانے کی کوشش کی۔انہوں نے اُسے بھی گھائل کر دیا۔آخر مجھے مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا اور کپڑے پھاڑ کر اور اپنے جسموں پر زخم لگا کر قافلے میں پہنچے۔سب لوگوں کو بتایا کہ ڈاکوؤں نے بھائی کو مار ڈالا اور ہمیں زخمی کر دیا۔قافلے کے لوگ ڈاکوؤں کی خبر سن کر گھبرا گئے اور انہوں نے جلدی سے کوچ کر دیا۔''

یہ سن کر میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔وہ بولا: ''جہاں پناہ! اگر بے ادبی نہ ہوتی تو اپنا جسم کھول کر دکھاتا'' پھر بھی اپنا کندھا دکھایا۔واقعی چار انچ جگہ زخموں سے خالی نہ تھی۔پگڑی اتار دی تو دیکھا کہ سر پر اتنا بڑا گڑھا ہے کہ پورا انار اس میں سما جائے۔دیکھنے والوں میں دیکھنے کی طاقت نہ رہی۔سب نے آنکھیں بند کر لیں۔

''بادشاہ سلامت! یہ بھائی تو اپنے خیال میں میرا کام تمام کر کے چلے گئے۔لیکن ابھی زندگی باقی تھی۔سراندیپ کی سرحد پاس ہی تھی۔وہاں کی شہزادی ایک دن اپنی ہم جولیوں کے ساتھ سیر کرتی آ نکلی۔مجھے زخمی پڑا دیکھا تو اُٹھوا کر باغ میں پہنچوایا۔پھر ایک جراح کو بلوا کر اس سے علاج کرنے کے لئے کہا۔اس کی توجہ سے میں کچھ ہی دنوں میں اچھا ہو گیا۔کتے کے زخم بھی بھر گئے۔اب میں ہر وقت اللہ کو یاد کرتا رہتا تھا۔اس کا شہزادی پر یہ اثر ہوا کہ اُس نے مجھ سے شادی کر لی۔

شہزادی بولی: اب میرا یہاں رہنا ممکن نہیں۔یہاں سے نکلنے کی ترکیب کر۔وہاں سے ایک جہاز دوسرے ملک کو جا رہا تھا۔میں نے اُس کے مالک سے بات کر لی۔اگلے دن

www.parsenpoint.com

شہزادی نے لونڈی کا لباس پہنا اور چھپ کر محل سے نکل آئی۔ ہم دونوں جہاز پر سوار ہو گئے اور بھی بہت سے لوگ تھے، جن میں سے بہت سے لوگوں کے پاس لونڈیاں تھیں۔

ابھی جہاز تھوڑی دور گیا تھا کہ توپیں چلنے لگیں۔ ذرا دیر میں چاروں طرف سے کشتیوں نے جہاز کو گھیر لیا۔ ایک کشتی میں بندرگاہ کا حاکم بھی تھا۔ اس نے پکار کر کہا سب اپنی لونڈیوں کو میرے حوالے کر دو۔ بادشاہ کی خدمت میں پیش کی جائیں گی، جو پسند آئیں، اُن کی قیمت دی جائے گی۔ باقی لوٹا دی جائیں گی۔ یہ سن کر سب نے اپنی اپنی لونڈیوں کو صندوقوں میں چھپا دیا۔ شہزادی بھی لونڈی کے بھیس میں تھی۔ وہ بھی ایک صندوق میں چھپ گئی۔

بندرگاہ کا حاکم جہاز میں داخل ہوا اور ایک صندوق کے اوپر بیٹھ گیا اور لونڈیوں کے بارے میں پوچھنے لگا۔

صندوق کا بیوقوف مالک جھٹ سے بول اُٹھا: ''سرکار! آپ کے قدموں کی قسم نہ میرے پاس لونڈی ہے، نہ میں نے اُسے صندوق میں چھپایا ہے۔ حاکم فوراً صندوقوں کی تلاشی لینے لگا اور سب لونڈیوں کو اپنے قبضے میں لے لیا۔ انہی میں شہزادی بھی تھی۔ میں سر پیٹ کے رہ گیا۔

اگلے دن ساری لونڈیاں ناپسند ہو کر واپس آ گئیں، مگر شہزادی نہ آئی۔ میں بھیس بدلے جگہ جگہ اسے ڈھونڈتا پھرا۔ پتہ چلا کہ وہ بادشاہ کے محل میں بھی نہیں ہے۔ میں سمجھ گیا کہ وہ بندرگاہ کے حاکم کے پاس ہے۔ میں زنانہ لباس پہن کر اس کی حویلی میں داخل ہوا۔ وہاں وہ موجود تھی اور ہر وقت روتی رہتی تھی۔ اُس نے بتایا کہ بادشاہ کو میرے بھاگنے کا پتہ چل گیا تھا۔ اس لئے اس نے جہاز سے سب عورتوں کو پکڑوا لیا۔ یہ حاکم مجھے کیا پہچانتا مگر سمجھا کوئی خوب صورت عورت ہے۔ مجھے اپنے گھر روک لیا۔ باقی لونڈیوں کو بادشاہ کے سامنے پیش کیا۔ ان میں مجھے نہ پایا تو سب کو لوٹا دیا۔ اب مجھے یہاں سے چھڑانے کی ایک ترکیب ہے۔

www.pakistanipoint.com

ہمارے شہر میں بڑے بت کا مندر ہے۔ جہاں سب جوتیاں اتارتے ہیں' وہاں ایک کالا ٹاٹ پڑا رہتا ہے۔ یہاں کا دستور ہے کہ کسی پر مصیبت پڑتی ہے تو وہ اس کالے ٹاٹ کو اوڑھ کر بیٹھ جاتا ہے۔ مندر کو جانے والے اُسے دان دیتے ہیں۔ دو چار دن میں بہت سا مال جمع ہو جاتا ہے۔ پھر پنڈت بڑے بت کی طرف سے ایک خلعت دے کر رخصت کر دیتے ہیں۔ جب تجھے رخصت کرنے لگیں تو تو وہاں سے نہ اُٹھنا' کہنا مجھے مال دولت نہیں چاہیے۔ میرے ساتھ بڑا ظلم ہوا ہے۔ میں برہمنوں کی ماں سے انصاف چاہتا ہوں۔

آخر وہ مجبور ہو کر تیرے پاس آئے گی۔ وہ بہت بوڑھی ہے۔ دو سو چالیس برس کی عمر ہے۔ اس کے چھتیس بیٹے اس بت خانے کے سردار ہیں۔ سارے ملک میں کوئی اس کا حکم نہیں ٹالتا۔ جب وہ بات پوچھے تو کہنا "میں پردیسی ہوں۔ سیر کرنے کو یہاں آیا تھا۔ میری بیوی میرے ساتھ تھی۔ ہم مسلمان اپنی عورتوں کو پردے میں رکھتے ہیں' مگر نہ جانے کیسے بندرگاہ کے حاکم نے اُسے دیکھ لیا اور مجھ سے چھین لیا۔ میری بیوی مجھے دلائی جائے۔ نہیں تو میں بڑے بت سے سر ٹکرا ٹکرا کر جان دے دوں گا۔"

دوسرے دن صبح سویرے ہی میں بت خانے میں جا کر کالا ٹاٹ اوڑھ کر بیٹھ گیا۔ تین دن میں میرے سامنے روپے' اشرفیوں اور کپڑوں کا ڈھیر لگ گیا۔ چوتھے دن پنڈت بھجن گاتے خلعت لئے میرے پاس آئے اور مجھے رخصت کرنے لگے' مگر میں کسی طرح راضی نہ ہوا اور بڑے بت کی دہائی دینے لگا کہ مجھے انصاف چاہیے اور اسی لئے میں بڑے بت اور برہمنوں کی ماں کے پاس آیا ہوں۔

آخر کار لوگ مجھے بوڑھی ماں کے پاس لے گئے۔ دیکھا کہ جڑاؤ سنگھاسن پر بڑا بت رکھا ہے۔ پاس ہی ایک سونے کی کرسی پر ایک بوڑھی عورت بیٹھی ہے۔ میں نے آگے بڑھ کر سلام کیا اور تخت کا پایہ چوما۔ پھر جو کچھ شہزادی نے کہا تھا اُسی طرح دہرا دیا۔ وہ سن کر بہت

www.pakistanipoint.com

ناراض ہوئی اور بولی: ''وہ بیگانی عورت کو چھیننے والا کون ہوتا ہے۔''

پھر اس بوڑھی عورت نے اپنے دو بیٹوں کو میرے ساتھ بھیج دیا۔ ہم بادشاہ کے قلعے کے پاس پہنچے تو وہ ننگے پاؤں اُن برہمن بچوں کے استقبال کو آیا۔ انہوں نے سارا حال سنایا۔ اُسے بھی بڑا طیش آیا۔ فوراً حاکم کو موت کی سزا دی اور حکم دیا کہ اس کی عورت اس کے حوالے کی جائے' پھر مجھے بہت سا انعام دے کر رخصت کیا۔ وہاں سے لوٹ کر میں نے حاکم کی حویلی سے شہزادی کو نکالا اور اسی جگہ عزت کی زندگی گزارنے لگا۔ بادشاہ نے مجھے بندرگاہ کا حاکم بنا دیا۔

دو برس بعد میں نے سنا کہ زیرباد سے سوداگروں کا ایک قافلہ آیا ہے جو میرے ملک کو جا رہا ہے۔ ملاقات کو جی چاہا تو میں اس قافلے میں گیا۔ دیکھا کہ دونو کر پھٹے پرانے کپڑے پہنے سردار کی خدمت میں لگے ہیں۔ غور کیا تو پتہ چلا کہ یہی دونوں بھائی ہیں۔ میں نے لوٹ کر انہیں بلوایا اور پھر اپنے پاس رکھ لیا۔ ایک رات یہ چوروں کی طرح پھر میری جان لینے کو آ پہنچے مگر کتے کے بھونکنے سے جاگ گیا۔ یوں میری جان بچی اور لوگوں نے ان پر لعنت بھیجی۔ ''سرکار! میں نے انہیں بار بار موقع دیا مگر یہ اپنی حرکت سے باز نہ آئے۔ یہ بھی جی نہ چاہا کہ انہیں قید میں ڈال کے آنکھوں سے اوجھل کر دوں۔ پتہ نہیں نوکر چاکر کیا سلوک کریں' کھانے کو دیں یا بھوکا مار دیں۔ پھر یہ بھی کہ نہ جانے یہ کیا سوانگ رچائیں۔ اس لئے انہیں پنجرے میں بند کرا کے سامنے رکھتا ہوں۔ کتے کی نمک حلالی اور وفاداری کا حال آپ نے سنا' اس لئے اس کے گلے میں لعل پٹا ڈالا ہے' جہاں پناہ! یہ ہے میری داستان۔ اب چاہے جان بخشیں' چاہے قتل کا حکم دیجئے۔''

میں نے کہا: ''جوہری! تیری ہمت کو شاباش ہے۔ تو نے ان بھائیوں کے ساتھ بڑا سلوک کیا۔ اب یہ بھی بتا کہ یہ بارہ لعل کہاں سے حاصل کئے۔''

www.pakistanipoint.com

وہ بولا: ''بادشاہ سلامت کی ہزار سال کی عمر ہو۔ جن دنوں میں بندرگاہ کا حاکم تھا۔ وہیں میرا محل تھا۔ ایک دن اس کے بالا خانے پر بیٹھا سیر کر رہا تھا۔ سامنے جنگل تھا اس میں دو آدمیوں کی پرچھائیں سی دکھائی دی۔ دوربین سے دیکھا تو عجب شکل کے آدمی دکھائی دیئے۔ پاس بلوایا' ایک مرد تھا اور ایک عورت۔ عورت کو محل میں بھیج دیا۔ مرد کو اپنے پاس بلوایا۔ یہ بیس بائیس برس کا نوجوان تھا۔ دھوپ نے رنگ توے کا سا کر دیا تھا۔ ایک تین چار سال کا بچہ کندھے پر سوار تھا۔

میں نے اس جوان سے پوچھا: ''بھائی! تم کون ہو اور کس ملک کے رہنے والے ہو۔'' وہ رونے لگا۔ اشرفیوں کی تھیلیاں میرے آگے رکھ دیں اور بولا: ''میں بھوکا ہوں۔ اب تک گھاس اور پتیاں کھا کے جیتا رہا ہوں۔'' میں نے فوراً عمدہ کھانے منگوا کر سامنے رکھوائے۔ وہ بھوکوں کی طرح کھانے لگا۔ اتنے میں محل سے خواجہ سرا تھیلیاں لے کر آیا جو اس عورت کے پاس تھیں۔ ان میں قسم قسم کے ہیرے جواہرات بھرے تھے۔

میں نے اس نوجوان سے پوچھا: ''یہ قیمتی پتھر تیرے ہاتھ کس طرح لگے؟''

وہ بولا میں آذربائیجان کا رہنے والا ہوں۔ ماں باپ سے جدا ہو کر میں نے بہت دنوں تک سخت تکلیفیں اُٹھائیں۔'' میں نے کہا: ''اپنا حال تفصیل سے سناؤ۔'' تب وہ بولا: ''میرا باپ سوداگر تھا۔ ہمیشہ ہندوستان' روم' چین اور فرنگ کا سفر کرتا تھا۔ میں دس برس کا تھا کہ وہ ہندوستان جانے لگا۔ یہ سوچ کر مجھے بھی ساتھ لے لیا کہ کاروبار اور سفر کا تجربہ ہو جائے گا۔''

ہندوستان پہنچ کر کچھ سامان وہاں بیچا اور کچھ خریدا پھر زیر باد کا رُخ کیا۔ وہاں سے واپس وطن کی طرف روانگی ہوئی۔ ہم جہاز پر تھے کہ ایک دن زور کی آندھی چلی اور بھیانک طوفان آیا۔ اس میں جہاز ایک پہاڑ سے ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ کس کا کیا حشر ہوا کچھ پتہ نہ چلا۔ ہوش آیا تو میں نے خود کو ایک تختے پر پایا۔ وہ تختہ تیرتے تیرتے ایک دن کنارے آ

لگا۔

بدن میں جان نہ تھی مگر ہمت کر کے اُٹھا اور ایک طرف کو چلا۔ ہرے بھرے کھیت نظر آئے۔ کالے کالے ننگ دھڑنگ آدمی نظر آئے۔ جن کی بولی میری سمجھ میں نہ آئی۔ وہ چنے بھون بھون کر کھا رہے تھے۔ اشارے سے مجھ سے بھی کھانے کو کہا۔ میں نے چنے پھانک کر پانی پیا اور ایک کونے میں پڑا رہا۔ صبح کو چنے کھاتا ہوا ایک طرف کو چل پڑا۔ مدتوں چلتا رہا۔ آخر جنگل ختم ہوا اور ایک قلعہ نظر آیا' جس کے دروازے میں تالا پڑا تھا۔ دور تک آدمی کا نام ونشان نہ تھا۔ اس سے آگے چلا تو ایک پہاڑ نظر آیا جس کی مٹی سرمے کے رنگ کی تھی۔ میں چلتا رہا۔ پھر ایک شہر دکھائی دیا۔ میں دروازے سے اندر داخل ہوا۔ ایک آدمی فرنگی لباس پہنے نظر آیا۔ اس نے مجھے کھانا کھلایا۔ حال پوچھا۔ میں نے سارا قصہ سنایا۔ سن کر بولا:

''تو یہاں کیوں آیا؟'' میں نے کہا: ''مدتوں بعد تو بستی کی صورت نظر آئی ہے اور تو کہتا ہے یہاں کیوں آیا؟'' اس نے کہا: ''اب تو آرام کر صبح کو بات ہوگی۔''

صبح کو اس نے ایک پھاوڑا اور ایک چھلنی مجھے دی اور کہا: ''سامنے ٹیلے پر جا کر ایک گز گہرا گڑھا کھود اور اس کی مٹی چھلنی میں چھان اور جو کچھ نہ چھن سکے وہ ایک جھولی میں بھر کر لا۔ میں نے زمین کھود کے چھانا تو قیمتی پتھر نکلے۔ وہ اس آدمی کے پاس لے گیا۔ اس نے کہا: ''انہیں لے کر یہاں سے چلتا بن۔''

میں نے کہا: ''ابھی تو میں شہر کی سیر کرنا چاہتا ہوں۔''

اس نے بہت منع کیا مگر میں نہ مانا۔ آخر اس نے مجھے اپنی انگوٹھی دی اور کہا: ''بازار میں تخت پر میری شکل کا ایک آدمی بیٹھا ہوگا۔ وہ میرا بھائی ہے۔ اُسے یہ انگوٹھی دینا اور جیسا وہ کہے ویسا ہی کرنا۔''

میں اُس سے رخصت ہو کر چلا اور بازار میں داخل ہوا۔ تخت پر ایک آدمی نظر آیا۔ میں

www.pakistanipoint.com

نے اسے انگوٹھی دی۔ اُس نے میرے وہاں پہنچنے پر بڑا افسوس کیا کہ ''خواہ مخواہ آپ اپنی قبر کھودی۔''

جب میں نے بہت پوچھا کہ آخر یہاں آنے میں کیا برائی ہے۔ تب اس نے کہا کہ یہاں کی عجب رسم ہے۔ جب یہاں کوئی آتا ہے تو اُسے بڑے بت کے مندر میں لے جاتے ہیں اور اسے سجدہ کراتے ہیں۔ اُس بت میں سے آواز نکلتی ہے۔ اگر اُس نے سجدہ قبول کر لیا تو ٹھیک' نہیں تو اس آدمی کو دریا میں پھینکوا دیتے ہیں۔ خیر میں تیرے بچانے کی ایک ترکیب کرتا ہوں' کوشش کرتا ہوں کہ وزیر کی بیٹی سے تیری شادی ہو جائے۔

دوسرے دن صبح ہی صبح وہ مجھے لے کر بت خانے کی طرف چلا۔ وہاں دیکھا کہ بادشاہ امیر سب سر ننگا کئے بت کے آگے ادب سے بیٹھے ہیں۔ وہ شخص مجھے بادشاہ کے سامنے لے گیا اور بولا: ''یہ میرا عزیز ہے۔ بڑی دور سے چل کر آپ کو دیکھنے کو آیا ہے اور چاہتا ہے کہ وزیر اسے اپنی غلامی میں قبول کرے۔''

یہ سن کر لوگوں نے مجھے عجیب سا لباس پہنایا' گلے میں کالی رسی ڈالی اور کھینچتے ہوئے بت کے سامنے لے گئے اور مجھ سے اس کے آگے سجدہ کرایا۔

بت سے آواز نکلی: ''خوب ہوا، اے مسافر کہ تو ہماری بندگی میں آیا۔ اب تو ہماری رحمت کا انتظار کر۔''

یہ سن کر سب زمین میں لوٹنے لگے۔ سب نے مجھے مبارکباد دی۔ آخر بڑی شان سے میری شادی وزیر کی بیٹی سے ہو گئی۔ اب میں بادشاہ کے مصاحبوں میں داخل ہو گیا اور میری بڑی عزت ہونے لگی۔

نو دس مہینے بعد وزیر زادی کے مرا ہوا بچہ ہوا۔ اسی میں وہ مر گئی۔ چاروں طرف رونا پیٹنا مچ گیا۔ سارا گھر عورتوں سے بھر گیا، جو آتا میرے دو ہتر مارتا اور کوستا۔ وہ شخص بھی آیا جسے

www.pakistanipoint.com

میں نے انگوٹھی دی تھی اور جس نے میری شادی کرائی تھی۔ وہ بولا اپنی بیوی کو کیا روتا ہے۔ اب اپنی جان کو رو۔ میری سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

اگلے دن سب دربار میں جمع ہوئے۔ وزیر کی بیٹی یعنی میری بیوی کی میت لا کر وہیں رکھی گئی۔ اس کا سارا سامان بھی لایا گیا۔ لوگ آتے اور جو سامان پسند آتا اُٹھا کر لے جاتے اور اس کی جگہ روپے رکھ جاتے۔ اس طرح کچھ دیر میں سارا سامان بک گیا۔ اس کے بعد ایک اونٹ لایا گیا۔ اس کے ایک طرف تابوت کسا اور دوسری طرف صندوق میں روپیہ رکھا جو سامان بک کر آیا تھا۔ بادشاہ کی طرف سے بہت سے قیمتی لعل و جواہر بھی رکھے گئے اور جتنی جگہ صندوق میں بچی اس میں کھانے پینے کا سامان بھر دیا۔ اوپر مجھے بٹھایا اور لے کر چل دیئے۔

میری کچھ سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ آخر شہر کے دروازے پر پہنچے۔ وہاں وہ داروغہ ملا جس سے پہلے ملاقات ہوئی تھی۔ وہ مجھے دیکھ کر رو دیا اور بولا: ''آخر تو نے کہا نہ مانا۔'' چلتے چلتے اس قلعے کے پاس پہنچے جسے میں نے آتے وقت مقفل پایا تھا۔ تالا کھول کے مجھے اندر لے گئے۔ صندوقوں کو اتار کے میرے پاس رکھ دیا اور سب لوگ لوٹ گئے۔ چاروں طرف اسی طرح کے صندوق رکھے تھے اور مردوں کی ہڈیاں پڑی تھیں۔ یہ سب دیکھ کر مجھے بڑی وحشت ہوئی، مگر کر کیا سکتا تھا۔ صندوق سے کھانے پینے کا سامان نکال کر پیٹ بھرا۔ آخر ایک دن کھانا ختم ہو گیا اور موت آنکھوں کے آگے ناچتی دکھائی دینے لگی۔

ایک دن پھر دروازہ کھلا۔ میں اوٹ میں ہو گیا۔ لوگوں نے ایک بوڑھے آدمی کو اونٹ سے اتارا اور دو صندوق اس کے پاس رکھ کر چلے گئے۔ وہ بیچارہ گھٹنوں میں سر دے کر بیٹھ گیا۔ میں بھوکا تو تھا ہی، میں چپکے چپکے اس کے قریب پہنچا اور ایک پتھر اس کے سر پر دے مارا۔ ذرا دیر میں اس نے دم توڑ دیا اور میں نے کچھ دن اس کا کھانا کھا کے گزار دیئے۔

www.pakistanipoint.com

مدتوں یہی ہوتا رہا۔

ایک دن لوگ ایک لڑکی کو لائے۔ میں نے سوچا اس کا کام بھی تمام کرو۔ میں پاس پہنچا تو وہ مجھے دیکھ کے ڈر گئی۔ مجھے بھی ترس آ گیا۔ خیر میں نے اس کا کھانا نکال لیا۔ کچھ خود کھاتا کچھ اسے کھلاتا۔ پھر اور لوگ آتے رہے اور انہیں مار کے ہم دونوں ان کے کھانے کھاتے رہے۔ وہ لڑکی بادشاہ کے وکیل کی بیٹی تھی۔ شادی کے دن ہی اس کا شوہر مر گیا تھا اور رواج کے مطابق لوگ اُسے یہاں چھوڑ گئے تھے۔

آخر ہم دونوں نے شادی کر لی اور ایک بچہ بھی پیدا ہوا۔ اب یہ کوشش ہوئی کہ یہاں سے کسی طرح نکلو اور اس بچے کی پرورش کرو۔ کوئی دو سال کی محنت کے بعد ایک موری نظر پڑی۔ میں نے پتھر سے توڑ توڑ کے اُسے بڑا کرنا شروع کیا۔ کوئی چھ مہینے کی محنت کے بعد سوراخ اتنا بڑا ہوا کہ ہم باہر نکل سکیں۔ باہر نکلنے سے پہلے ہم نے سب صندوق ٹٹولے اور جتنے قیمتی لعل اور ہیرے ملے وہ سب ساتھ لے لئے۔ یہ وہی لعل اور ہیرے ہیں۔

اُن اَن گنت ہیروں میں سے کچھ اس نے مجھے بھی دیئے۔ اس ملک میں رہتے رہتے میرا جی بھر گیا تھا۔ اس لئے بادشاہ سے کہہ کر اُسے بندرگاہ کا حاکم بنوا دیا اور خود نیشاپور چلا آیا۔ کچھ دن ہوئے اس شہر کا ایک سوداگر بچہ میری طرف آ نکلا۔ میرے اولاد نہ تھی۔ اس لئے اس کو اپنا بیٹا بنا لیا۔ اب سب کچھ اُسی کا ہے اور اُسی کی وجہ سے میں یہاں آیا ہوں۔

میں نے پوچھا: ''وہ سوداگر بچہ کہاں ہے؟''

ایک خوب صورت سا نوجوان آگے بڑھا اور میرے قدم چوم کر بولا: ''میں اس وزیر کی بیٹی ہوں جو قید میں ہے۔ اپنے باپ کو قید سے چھڑانے کے لئے میں بھیس بدل کر اس جوہری تک پہنچی۔ اب میرے باپ کی سچائی ثابت ہو گئی۔''

اس لئے جہاں پناہ اس کی رہائی کا حکم فرمائیں۔

www.pakistanipoint.com

میں نے وزیر کو آزاد کرا کے اس کا استقبال کیا اور پھر سے وزارت اُسے سونپ دی۔ جوہری کو افسوس ہوا کہ اب وہ کسے اپنا بیٹا بنائے گا اور اس کا نام کس کے سہارے زندہ رہے گا۔ میں نے اُسے دلاسا دیا اور آخر وزیر کی بیٹی سے اس کی شادی کرا دی۔ اُن کے دو بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ بڑا بیٹا بہت بڑا سوداگر ہے اور چھوٹا ہماری سرکار میں مختار ہے۔

اے دوستو! کل تم دو کی کہانی میں نے سنی تھی۔ اس لئے ایک قصہ میں نے بھی سنا دیا۔ اب تم لوگ اس گھر کو اپنا تکیہ سمجھو اور جو دو باقی رہ گئے ہیں۔ اب وہ بھی اپنی اپنی داستان اطمینان سے سنائیں۔ دونوں درویش اس کے لئے راضی ہو گئے۔

☆☆☆

www.pakistanipoint.com

تیسرے درویش کا قصہ

تیسرا درویش سنبھل کر بیٹھا اور اس نے اپنا قصہ شروع کیا۔ کہنے لگا:

"میں عجم کا بادشاہ زادہ ہوں اور اپنے ماں باپ کی اکلوتی نشانی۔ نوجوانی میں مجھے سیر و شکار کا بہت شوق تھا۔ ایک دن دوستوں کے ساتھ شکار کو نکلا اور ایک خوب صورت سبزہ زار میں جا نکلا۔ جگہ دل کو بھائی تو گھوڑوں کی لگامیں چھوڑ دیں اور سیر کرنے چلے۔ اچانک ایک کالا ہرن دکھائی دیا جس کے پیروں میں سونے کے گھنگھرو پڑے تھے۔ وہ اس میدان میں جہاں انسان پہنچ نہیں سکتا اور پرندہ پر نہیں مار سکتا' بے فکری سے چر رہا تھا۔ آہٹ پا کر چوکنا ہوا اور دھیرے دھیرے چل دیا۔"

میں بڑا حیران ہوا۔ ساتھیوں سے کہا: "تم یہیں ٹھہرو۔ میں اسے زندہ پکڑوں گا۔"

یہ کہہ کر میں نے گھوڑے کو دوڑایا۔ وہ ہوا سے باتیں کرنے لگا' مگر وہ ہرن ہاتھ نہ آیا۔ گھوڑا پسینے پسینے ہو گیا۔ پیاس کے مارے میری زبان نکل پڑی۔ کچھ بس نہ چلا تو کمان میں تیر جوڑ کے اس کی ران کا نشانہ لے کر چلا دیا۔ تیر اس کی ٹانگ میں لگا اور وہ لنگڑاتا ہوا چلا۔ میں بھی گھوڑے سے اتر کر اس کے پیچھے ہو لیا۔ ایک برج کے پاس پہنچ کر وہ ہرن نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ وہاں پانی کا ایک چشمہ بہہ رہا تھا۔ میں اس کے کنارے بیٹھ کر ہاتھ منہ

www.pakistanipoint.com

دھونے لگا۔

اتنے میں کسی کے رونے کی آواز کان میں پڑی۔ کوئی کہہ رہا تھا۔ ''اے بچے! جس نے تجھے مارا' میری آہ کا تیر اُس کے کلیجے میں لگے۔ وہ اپنی جوانی سے پھل نہ پائے۔ خدا اُس کو مجھ جیسا دُکھی بنائے۔''

یہ سن کر میں آگے بڑھا۔ جھانک کر برج میں دیکھا تو بڑی سی سفید داڑھی والا ایک بزرگ نظر آیا جو ہرن کی ٹانگ سے تیر کھینچتے ہوئے بددعا دے رہا تھا۔ میں نے سلام کیا اور ہاتھ جوڑ کر عرض کیا کہ ''یہ غلطی انجانے میں مجھ سے ہوئی' معافی چاہتا ہوں۔''

اُس بزرگ نے کہا: ''اگر یہ بھول انجانے میں ہوئی تو اللہ معاف کرے۔''

میں پاس جا بیٹھا اور تیر نکالنے میں اس کی مدد کرنے لگا۔ بڑی مشکل سے تیر نکالا اور زخم میں مرہم بھر دیا۔ پھر اس بزرگ نے کھانا کھلایا۔ میں کھا پی کر چارپائی پر سو گیا۔

رات کو آنکھ کھلی تو کان میں رونے کی آواز پڑی۔ آنکھیں مل کر دیکھا تو دالان خالی پڑا ہے' بوڑھے کا کہیں پتہ نہیں۔ ایک کونے میں پردہ پڑا دکھائی دیا۔ پاس گیا اور جھانک کر دیکھا تو ایک تخت دکھائی دیا۔ اس پر کوئی چودہ برس کی ایک حسین لڑکی فرنگی لباس پہنے بیٹھی تھی اور عجب ادا سے ٹکٹکی باندھے ایک طرف کو دیکھ رہی تھی اور وہ بوڑھا اس کے قدموں پر سر رکھے رو رہا تھا۔

میں اُس کا حسن دیکھ کر بے ہوش ہو گیا۔ اُس بوڑھے نے گلاب چھڑکا تو مجھے ہوش آیا۔ میں نے اُس حسینہ کے پاس جا کے سلام کیا' مگر اس نے نہ تو ہاتھ ہلایا' نہ منہ سے جواب دیا۔ میں نے کہا: ''حسن پر اتنا غرور اچھا نہیں کہ کسی کے سلام کا جواب بھی نہ دو۔''

اِس بات پر بھی وہ کچھ نہ بولی تو آگے بڑھ کر میں نے اس کے پاؤں پکڑ لئے۔ اب پتہ چلا کہ وہ تو پتھر کی مورت تھی' مگر وہ مورت دل میں گھر کر چکی تھی۔ اس لئے میں نے بوڑھے

سے پوچھا:

''یہ کیا قصہ ہے۔ تو نے یہ بت کیوں تراشا ہے اور ویرانے کو کیوں آباد کیا ہے؟''

پہلے تو اس نے ٹالنے کی بہت کوشش کی' مگر جب میں نہ مانا تو اُس نے اپنی داستان سنائی۔ کہنے لگا: ''میں نعمان سیاح کے نام سے مشہور تھا۔ کبھی بڑا سوداگر تھا۔ تجارت کے سلسلے میں ملک، ملک کی سیر کی۔ بڑے بڑے بادشاہوں کے دربار دیکھے۔ ایک بار خیال آیا کہ ساری دنیا کی سیر کر لی' مگر فرنگیوں کا ملک نہ دیکھا۔ وہاں بھی چلنا چاہیے۔ چنانچہ کئی اقسام کا سامان اور طرح طرح کے تحفے خریدے اور جہاز پر سوار ہو کے روانہ ہو گیا۔

ہوا نے ساتھ دیا تو دو مہینے میں اپنی منزل پر جا پہنچا۔ شہر میں ڈیرا ڈالا۔ عجب سماں دیکھا' ہر طرف پکی صاف ستھری سڑکیں۔ ہر جگہ چھڑکاؤ کیا ہوا' رنگ برنگ کی عمارتیں' روشنی کا بندوبست ایسا کہ رات کو دن لگے۔ شہر میں چرچا ہوا کہ سوداگر آئے ہیں تو ایک خواجہ سرا خادموں کے ساتھ میرے ڈیرے میں آیا اور مجھ سے کہا: ''شہزادی صاحبہ نے سنا ہے کہ سوداگر آئے ہیں اور عجب عجب سامان لائے ہیں۔ ان کا حکم ہے کہ جو سامان بادشاہوں کے لائق ہے' وہ لے کر حاضر ہو۔''

میں نے عرض کیا: ''آج تو بہت تھکا ہوا ہوں۔ کل حاضر ہوں گا۔''

دوسرے دن میں کچھ سامان لے کر شاہی محل میں حاضر ہوا۔ وہی خواجہ سرا مجھے ایک عالی شان مکان میں لے گیا۔ ''اے عزیز! شاید تجھے یقین نہ آئے' عجب سماں نظر آیا' جیسے پریوں کو پر کاٹ کے چھوڑ دیا گیا ہو۔ جدھر نظر اُٹھتی تھی' وہیں جم کے رہ جاتی تھی۔ خیر کسی طرح اپنے آپ کو سنبھالتا ہوا شہزادی کے سامنے پہنچا۔ اس پر نظر پڑی تو میرے ہوش حواس جاتے رہے۔ ہاتھ پاؤں لرزنے لگے اور غش سا آنے لگا۔''

کسی نہ کسی طرح اپنے آپ کو سنبھالا اور جھک کر سلام کیا۔ پھر ایک ایک کر کے قیمتی

www.pakistanipoint.com

چیزیں اس کے سامنے پیش کیں۔ اس نے خوش ہو کر وہ سامان اپنے خادموں کے حوالے کیا اور کہا: ''کل اس کی قیمت ادا کر دی جائے گی۔''

میں خوش ہوا کہ کل کو پھر آنے کا موقع ملے گا۔ لوٹ کر آیا تو یہ حالت تھی کہ کہتا کچھ تھا اور منہ سے نکلتا کچھ تھا۔ میری حالت دیکھ کر سارے ساتھی حیران بھی ہوئے اور پریشان بھی۔''

وہ رات تڑپ تڑپ کے کاٹی۔ صبح ہی صبح پھر محل میں جا کر حاضر ہوا۔ کل کا عالم پھر نظر آیا۔ شہزادی نے مجھے دیکھا تو سب کو اِدھر اُدھر مختلف کاموں کے لئے بھیج دیا۔ جب تنہائی ہوئی تو پوچھا کہ ''تو جو سامان لایا ہے' اس میں کتنا فائدہ چاہتا ہے؟''

میں نے کہا: ''آپ کے ملک کی سیر اور آپ کے قدم دیکھنے کی خواہش تھی۔ یہ فائدہ کیا کم ہے۔ ویسے فہرست میں جو قیمت لکھی ہے وہ خریداری کی قیمت سے دوگنی ہے۔'' وہ بولی نہیں۔ جو قیمت تو نے لکھی ہے' وہی دی جائے' بلکہ انعام الگ سے ملے گا۔ لیکن ایک شرط ہے کہ میرا ایک کام کرنا ہوگا۔''

میں نے کہا: ''میں ہر خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ چاہے اس میں میرا سر ہی کیوں نہ چلا جائے۔ یہ سن کر اس نے قلمدان منگوایا اور ایک خط لکھ کر اور ریشم کے رومال میں لپیٹ کر میرے حوالے کیا۔ پھر نشانی کے واسطے اپنی انگوٹھی اتار کر مجھے دی اور بولی: ''یہاں سے تھوڑی دور ایک باغ ہے۔ دل کشا اس کا نام ہے۔ کیسرو وہاں کا داروغہ ہے۔ یہ انگوٹھی اسے دینا اور ہماری دُعا کہنا اور اس خط کا جواب جلدی لانا۔ اس کام کا ایسا انعام دوں گی کہ تو یاد کرے گا۔''

میں پوچھتا پوچھتا چلا۔ کوئی دو کوس چلنے پر باغ دکھائی دیا۔ دروازے کے قریب پہنچا تو ایک ہتھیار بند سپاہی مجھے پکڑ کر دروازے کے اندر لے گیا۔ ایک جوان شیر کی صورت' زندہ

www.pakistanipoint.com

بکتر پہنے، سر پر ٹوپ لگائے سونے کی کرسی پر بیٹھا تھا اور سو جوان تلوار کی ڈھال بنا کر اس کے آگے کھڑے تھے۔ میں نے وہ انگوٹھی دی اور رومال میں لپٹا ہوا خط آگے رکھ دیا۔ اُس نے سر پیٹ لیا اور بولا: ''شاید تیری موت تجھے یہاں لے آئی ہے۔''

خیر جا باغ کے اندر ایک درخت میں لوہے کا پنجرہ لٹک رہا ہے۔ اس میں ایک جوان قید ہے۔ اس کو یہ خط دے اور جواب لے کر جلد واپس آ۔''

میں باغ کے اندر داخل ہوا۔ باغ کیا تھا جنت کا نمونہ تھا۔ چاروں طرف رنگ برنگے پھول کھلے تھے۔ فوارے چھوٹ رہے تھے۔ میں سیدھا چلا گیا۔ ایک درخت میں پنجرہ لٹکا دکھائی دیا۔ اس میں ایک جوان قید تھا۔ میں نے اس کے پاس جا کے خط دیا۔ اس نے خط پڑھا اور شہزادی کا حال پوچھا۔

اتنے میں ایک فوج نے مجھے گھیر لیا اور برچھیوں اور تلواروں سے حملہ کرنے لگی۔ میں زخمی ہو کر گر پڑا۔ سدھ بدھ کی خبر نہ رہی۔ ہوش آیا تو دیکھا کہ چارپائی پر پڑا ہوں اور سپاہی کہیں لئے جا رہے ہیں۔

ان میں سے ایک بولا: ''اس لاش کو میدان میں پھینک دو، کتے کوے کھا جائیں گے۔''

دوسرا بولا: ''بادشاہ کو پتہ چل گیا تو زندہ زمین میں گڑوا دے گا اور بال بچوں کو کولہو میں پلوا دے گا۔ کیا ہمیں جان بھاری پڑی ہے جو ایسا کریں۔''

میں یہ سن کر بولا: ''بھائیو! میں مر جاؤں تو جو جی چاہے کرنا مگر اللہ کے واسطے مجھے یہ تو بتا دو کہ آخر ان لوگوں نے مجھے کیوں مارا اور تم لوگ کون ہو؟''

مجھ پر ترس کھا کے ایک نے بتایا: ''پنجرے میں جو جوان بند ہے وہ بادشاہ کا بھتیجا ہے۔ پہلے اس جوان کا باپ اس تخت کا مالک تھا۔ اس نے مرتے وقت اپنے بھائی سے کہا: ''یہ بچہ کم عمر ہے، ابھی ناسمجھ ہے۔ تم حکومت کا کام سنبھالنا۔ جب یہ بڑا ہو تو اپنی بیٹی سے شادی کر

www.pakistanipoint.com

دینا اور تخت و تاج اس کے حوالے کر دینا۔"

بادشاہ کی موت کے بعد اس کے چھوٹے بھائی نے اس کی وصیت پر عمل نہ کیا اور اس کے بیٹے کو دیوانہ مشہور کر کے پنجرے میں قید کر دیا۔ کئی مرتبہ اُسے زہر بھی دیا مگر اس کی زندگی تھی کہ بچ گیا۔ بادشاہ کو پتہ چلا کہ تو خط لے کے شہزادے کے پاس جاتا ہے تو حبشیوں کی فوج کو حکم دیا کہ تیرا کام تمام کر دیں۔ اب وزیر نے کسی طرح دھونس دباؤ سے شہزادی کو راضی کیا ہے کہ وہ اپنے ہاتھ سے اس جوان قیدی کو ختم کر دے۔

میں نے کہا: "بھائیو! مرنے سے پہلے یہ تماشا بھی دکھا دو۔ شہزادی تو اس جوان کی وجہ سے بے چین تھی۔ ذرا دیکھوں تو وہ اسے اپنے ہاتھ سے کیسے مارتی ہے؟"

وہ راضی ہو گئے اور ہم لوگ بھی ایک کونے میں جا کھڑے ہوئے اور تماشا دیکھنے لگے۔ دیکھا کہ بادشاہ تخت پر بیٹھا ہے اور شہزادی کے ہاتھ میں ننگی تلوار ہے۔ شہزادے کو پنجرے سے نکال کر سامنے کھڑا کیا گیا۔ شہزادی تلوار لئے آگے بڑھی، مگر پاس پہنچ کر تلوار پھینک دی اور اس سے چمٹ گئی۔ بولی: "میں اسی بہانے تجھے دیکھنا چاہتی تھی۔"

بادشاہ یہ دیکھ کر آگ بگولا ہو گیا اور بگڑ کر وزیر سے بولا: "تو نے یہ تماشا دکھانے کے لئے مجھے بلایا تھا۔"

وزیر تلوار اُٹھا کے شہزادے کی طرف دوڑا۔ اتنے میں ایک طرف سے تیر آ کے اس کے سر میں لگا۔ بادشاہ یہ دیکھ کر محل میں جا گھسا۔ شہزادے کو پھر پنجرے میں بند کر کے باغ میں لے جایا گیا۔ شہزادی کو میرا حال معلوم ہوا تو بلا کر علاج کرایا۔ جب میں اچھا ہو گیا تو بہت سا انعام دے کر رخصت کیا۔

وہاں سے لوٹ کر میں نے سب کو رخصت کر دیا۔ نوکروں اور غلاموں کو بھی آزاد کر دیا۔ خود اس پہاڑ پر رہنے لگا اور اس حسینہ کی مورت بنا کے رکھ لی، تا کہ مرتے دم تک اس کی پوجا

www.pakistanipoint.com

کرتا رہوں۔ ''اے عزیز! یہ تھی میری داستان۔''

وہ تو یہ کہہ کے چپ ہو گیا' مگر میرے سینے میں جو آگ دہک رہی تھی وہ اور بھی بھڑکنے لگی۔ میں نے فقیروں کا بھیس بنایا اور فرنگیوں کے ملک کے لئے روانہ ہو گیا۔ شہر میں تو پہنچ گیا' مگر شہزادی کو دیکھنے کی تدبیر نہ بن پائی۔ گلی کوچوں میں باولا سا پھرنے لگا۔ ایک دن بازار میں کھڑا تھا۔ اچانک بھگدڑ مچ گئی۔ دُکانیں بند ہونے لگیں۔ اتنے میں دیکھا کہ ایک کڑیل جوان شیر کی طرح غراتا چلا آتا ہے۔ گلے میں زرہ بکتر' سر پر ٹوپ' اس کے پیچھے دو غلام تابوت اُٹھائے ہوئے چلے آتے ہیں۔

میں اس جوان کے پیچھے ہو لیا۔ چلتے چلتے وہ ایک عالی شان مکان میں داخل ہوا۔ میں بھی اس کے پیچھے گیا۔ جوان نے مڑ کر دیکھا اور غصے سے تلوار نکال لی۔ میں نے بھی اُسے قسم دی کہ ہاں تلوار کا ایک ہاتھ مار اور میرا کام تمام کر دے۔ یہ سن کر اُسے کچھ رحم آیا اور مجھ سے پوچھا کہ ''تو کون ہے اور کیوں اپنی زندگی سے تنگ آیا ہے۔''

میں نے اُسے سارا قصہ سنایا تو وہ افسوس کرنے لگا اور بولا: ''یہ تیری کیا کم بختی آئی۔ خیر میں تیرا درد دور کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ یہ تابوت جو تو نے دیکھا ہے۔ اُسی شہزادے کا ہے جو پنجرے میں قید تھا۔ دوسرے وزیر نے اُسے دھوکے سے مار ڈالا۔ میں نے اس نمک حرام کا کام تمام کر دیا۔ میں تو بادشاہ کو بھی مار ڈالنے کا ارادہ رکھتا تھا' مگر وہ بزدل گڑگڑانے لگا۔ اس دن سے میں ہر مہینے کی نوچندی جمعرات کو شہزادے کا تابوت سارے شہر میں لئے پھرتا ہوں اور اس کا ماتم کرتا ہوں' کیونکہ میں اس کا دودھ شریک بھائی ہوں۔

میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اُس نے ایسے جنونی کو مجھ پر مہربان کیا۔ پھر وہ مجھے ایک باغ میں لے گیا اور ایک درخت کے نیچے بٹھا دیا۔ ذرا دیر میں مشعل کی روشنی نظر آئی اور شہزادی کنیزوں کے ساتھ وہاں آئی۔ چہرے سے غصہ ظاہر ہوتا تھا۔ شہزادی بیٹھ گئی۔ اس

www.pakistanipoint.com

جوان نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا:

''ملک عجم کا شہزادہ آپ کی تعریف سن کے آپ کا دیوانہ ہوا۔ تخت تاج چھوڑا اور ابراہیم ادھم کی طرح فقیر بن کے یہاں چلا آیا ہے۔ اگر تم مسافر جان کر اس پر ترس کھاؤ اور اپنی غلامی میں قبول کرو تو اس کی زندگی بن جائے۔''

شہزادی سر جھکا کے بولی: ''اگر شہزادہ ہے اور اچھا ہے تو کیا حرج ہے۔ اُسے بلاؤ میں ذرا دیکھ تو لوں۔'' وہ جوان مجھے اپنے ساتھ ملکہ کے پاس لے گیا۔ میں نے ملکہ کو دیکھا تو ہوش جاتے رہے۔ زبان سے کچھ نہ نکلا۔ آخر ملکہ مہربان ہوگئی اور ہم دونوں کی شادی ہو گئی۔ اس کے بعد شہزادی بولی کہ اب یہاں رہنا ٹھیک نہیں۔ یہاں سے کسی طرف کو نکل چل۔ چنانچہ ہم دونوں نکل کھڑے ہوئے۔

وہاں سے چلے تو راستہ بھول گئے۔ نازک سی شہزادی بھلا کہاں تک پیدل چلتی۔ تھک کر پوچھنے لگی کہ کتنی دور اور چلنا ہے؟'' میری سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ بس یوں ہی جھوٹ کہہ دیا کہ'' ذرا سی دور اور چلو میرے غلام کی حویلی بس پاس ہی ہے۔'' لیکن دل میں یہ فکر رہی کہ اب ہوگا کیا۔

تھوڑی دور چلے ہوں گے کہ ایک حویلی ملی۔ دروازے میں تالا پڑا تھا۔ ہم تالا توڑ کے اندر داخل ہوگئے۔ سجا سجایا مکان تھا۔ ہر چیز قرینے سے رکھی تھی۔ باورچی خانے میں نان کباب تیار تھے۔ آرام سے پیٹ بھرا اور چین سے سو گئے۔ صبح کو شہر میں غل مچ گیا کہ شہزادی غائب ہوگئی۔ ہر طرف پہرہ بٹھا دیا گیا اور شہزادی کی تلاش میں گھر گھر لوگ جانے لگیں۔ شہزادی کے لانے پر ایک ہزار اشرفی کا انعام مقرر ہوا۔

میری موت جو آئی تو دروازہ بند نہ کیا۔ ایک بڑھیا' شیطان کی خالہ' خدا اس کا منہ کرے کالا' ہاتھ میں تسبیح لٹکائے برقع اوڑھے اندر داخل ہوئی اور ہاتھ اُٹھا کے دُعا دینے لگی:

''الٰہی جوڑی سہاگ کی سلامت رہے اور کمائی کی پگڑی قائم رہے۔ میں غریب فقیرنی ہوں۔ میری بیمار بیٹی بھوکی مرتی ہے کچھ مدد کرو۔''

شہزادی کو ترس آیا۔ پاس بلا کے نان کباب دیئے اور اپنی انگلی سے نکال کر انگوٹھی دی کہ اسے بیچ کے کام چلانا۔ بڑھیا کا مقصد پورا ہوا جس کی تلاش میں آئی تھی' اُسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور نشانی کے لئے انگوٹھی پائی۔ نان کباب تو ڈیوڑھی میں پھینک دیئے اور انگوٹھی کو مٹھی میں دبا کر لے چلی' مگر اللہ کو ہماری مدد منظور تھی۔ ہوا یوں کہ ادھر سے وہ جا رہی تھی اور سامنے سے اس مکان کا مالک شکار کر کے آ رہا تھا۔ اس نے دروازے کا تالا ٹوٹا دیکھا اور اس فقیرنی کو دبے پاؤں نکلتے پایا تو سمجھا کہ کچھ دل میں کالا ہے۔ فقیرنی بھی ڈر کے مارے تھر تھر کانپنے لگی۔ اس جوان نے اسے پکڑ کے درخت میں الٹا لٹکا دیا۔ ذرا دیر میں اس کا کام تمام ہو گیا۔

وہ جوان اندر آیا تو شہزادی نے کہا: ''شہزادہ اسے اپنے غلام کی حویلی بتا کر مجھے اس میں لایا ہے۔'' وہ بولا: ''شہزادے نے سچ کہا۔ جتنی رعایا ہے' سب شہزادے کی غلام ہے۔ آپ کا بڑا کرم کہ آپ نے اس حویلی میں قدم رکھا اور اس کا رتبہ بڑھایا۔ اب کسی طرح کا کوئی خطرہ نہیں۔ آرام سے یہاں رہیے اور جس چیز کی ضرورت ہو' بے تکلف حکم فرمایئے۔''

اس کے یہ کہنے سے شہزادی کو تسلی ہوئی۔

میں نے پوچھا: ''تمہارا نام کیا ہے؟''

اُس نے کہا: ''آپ کے اس غلام کو بہزاد خاں کہتے ہیں۔'' چھ مہینے ہم وہاں رہے۔ اُس نے جی جان سے ہماری خدمت کی۔

ایک دن مجھے اپنا گھر اور اپنے ماں باپ یاد آئے تو جی اُداس ہو گیا۔ بہزاد خاں نے یہ دیکھا تو ہاتھ جوڑ کے کھڑا ہو گیا اور بولا: ''کیا غلام سے کچھ خدمت میں کمی ہوئی۔''

www.pakistanipoint.com

میں نے کہا: ''کیا بات کرتے ہو۔ ہم نے یہاں گھر کا سا آرام پایا' مگر اب گھر یاد آتا ہے۔ پتہ نہیں ماں باپ کا کیا حال ہوگا؟''

اس نے کہا: ''بہت بہتر۔'' اور فوراً گھوڑوں کا بندوبست کر کے ہم دونوں کو سوار کیا۔ پھر زرہ بکتر پہن کر اور ہتھیار لے کر اپنے گھوڑے پر بیٹھا اور ہم سے پیچھے پیچھے چلنے کو کہا۔

جب شہر کے دروازے پر پہنچا تو دربانوں کو للکارا کہ جا کر بادشاہ کو خبر کر دو کہ بہزاد خاں شہزادے اور شہزادی کو لے جا رہا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کل کو کوئی کہے کہ چھپ کر نکل بھاگے۔ ذرا دیر میں شاہی فوج آ پہنچی۔ بہزاد خاں شیر کی طرح گرجتا ہوا فوج میں گھستا چلا گیا۔ سارا لشکر کائی کی طرح پھٹ گیا۔ اس نے دونوں سرداروں کے سر کاٹ لئے۔ فوج نے دیکھا کہ سردار مارے گئے تو بدحواس ہو کر بھاگ کھڑی ہوئی۔ بادشاہ کو شکست کی خبر پہنچی تو خود فوج لے کے آیا مگر اس کی بھی ہار ہوئی۔

جب یہ قصہ ختم ہوا تو بہزاد خاں ہمارے پاس آ کے بولا: ''لو اب راستہ صاف ہوا۔ بے کھٹکے چلے چلو۔''

غرض ہم تینوں روانہ ہوئے اور جلدی ہی اپنے ملک کی سرحد میں جا پہنچے۔ جہاں پناہ کو خبر ملی تو سجدے میں گر پڑے۔ خدا کا شکر ادا کیا۔ سوکھے دھانوں پانی پڑ گیا۔ وزیروں' امیروں کو ساتھ لے کر مجھے لینے کے لئے آئے۔ ہمارے اور ان کے درمیان دریا تھا۔ میں نے انہیں دیکھا تو اُن کے قدم چومنے کے لئے دریا میں گھوڑا ڈال دیا۔ میرے پیچھے شہزادی نے گھوڑا ڈالا۔

میں والد کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے محبت سے مجھے گلے لگا لیا۔ میں نے مڑ کے دیکھا تو شہزادی کا گھوڑا دریا میں غوطے کھا رہا تھا۔ دیکھتے دیکھتے وہ ایسا ڈوبا کہ پھر نہ اُبھرا۔ بہزاد خاں نے شہزادی کو نکالنے کے لئے دریا میں گھوڑا ڈال دیا' مگر وہ بدنصیب بھی

www.pakistanipoint.com

بھنور کی لپیٹ میں آ گیا۔ جہاں پناہ نے مہا جال ڈالوایا مگر دونوں کی خاک بھی ہاتھ نہ آئی۔

اس غم نے مجھے دیوانہ کر دیا۔ میں اکثر اُسی دریا کے کنارے اداس بیٹھا رہتا۔ ایک دن سوچا کہ خود بھی اسی میں ڈوب مرا اور اس دکھ سے چھٹکارا پالوں۔ یہ سوچ کر گلے گلے پانی میں چلا گیا اور آگے بڑھنا چاہتا تھا کہ وہی برقعہ پوش سوار جنہوں نے تمہیں خوش خبری سنائی تھی' آ پہنچے اور میرا ہاتھ پکڑ کے دلاسا دیا کہ گھبرا مت' اور خدا کی ذات سے مایوس نہ ہو۔ شہزادی اور بہزاد خاں دونوں زندہ ہیں۔ اگر تو زندہ رہا تو ایک نہ ایک دن اُن دونوں سے ملاقات ہوگی۔ اب تو روم کی طرف جا۔ وہاں تیری ملاقات درویشوں سے ہوگی تو تیری مراد پوری ہوگی۔ یہ حکم پا کر میں یہاں حاضر ہوا ہوں۔ امید ہے کہ اب ہم سب کے بگڑے کام بنیں گے۔

''دوستو! یہ تھا میرا احوال۔''

☆☆☆

www.pakistanipoint.com

چوتھے درویش کا قصہ

چوتھا فقیر رو رو کے اپنا قصہ بیان کرنے لگا۔ بولا:

''میں چین کے بادشاہ کا بیٹا ہوں۔ بڑے نازوں سے پلا۔ دکھ درد کا نام بھی نہ جانتا تھا اور سمجھتا تھا کہ سدا یہی اچھے دن رہیں گے۔ یوں ہی بے فکری سے وقت گزر رہا تھا کہ میرے والد کا آخری وقت آ پہنچا۔ انہوں نے مرتے وقت چچا کو بلا کے حکومت کا سارا کاروبار انہیں سونپا اور میری پرورش اُن کے سپرد کر کے وصیت کی کہ جب یہ ہوش سنبھالے تو اپنی بیٹی روشن اختر سے اس کی شادی کر دینا اور حکومت اس کے ہاتھوں میں دے دینا۔''

ان کے بعد چچا حکومت کرنے لگے اور میں زنانے محل میں پرورش پاتا رہا۔ اس طرح میں چودہ سال کا ہو گیا۔ میں اس خیال میں مگن رہتا تھا کہ اب روشن اختر سے شادی ہو گی اور حکومت اپنے ہاتھ میں آئے گی۔ میرے والد کا ایک وفادار حبشی ملازم تھا۔ اس کا نام مبارک تھا۔ وہ مجھے دیکھتا اور خوش ہوتا۔ ایک دن وہ مجھے بہانے سے دربار میں لے گیا۔ مطلب یہ تھا کہ بادشاہ کو میرے جوان ہونے کا پتہ چل جائے اور وہ میرا حق مجھے دے دے۔ سارے درباری اور امیر مجھے دیکھ کر خوش ہوئے اور آپس میں چرچا کرنے لگے کہ اب شہزادہ راج کرے گا اور ہماری قدر ہو گی۔ بادشاہ بھی سمجھ گیا کہ کیا باتیں ہو رہی ہیں۔ اس نے اوپری

www.pakistanipoint.com

دل سے نجومیوں سے کہا کہ کوئی اچھی گھڑی شادی کی بتاؤ۔ وہ سمجھ گئے کہ بادشاہ کیا چاہتا ہے۔ سب نے کہا: ''یہ سال تو منحوس ہے' کوئی مبارک مہینہ نہیں۔ یہ سال خیریت سے کٹ جائے تو اچھا ہے۔''

یہ سنا تو بادشاہ نے یہ کہہ کے مجھے رخصت کر دیا کہ اگلے سال شادی کر دیں گے۔

اس کے دو تین دن بعد میں مبارک کے پاس گیا تو وہ مجھے دیکھ کر رونے لگا۔ میں نے بہت ضد کی تو اُس نے بتایا کہ ''بادشاہ کی نیت میں فتور آ گیا ہے۔ اب وہ تمہارا حق تمہیں دینا نہیں چاہتا۔ اس نے مجھے بلا کے لالچ دیا اور کہا کہ کسی طرح شہزادے کا کام تمام کر دے تا کہ میں بے فکر ہو جاؤں؟''

میں نے یہ سنا تو خوف سے کانپنے لگا اور مبارک سے لپٹ گیا۔ اُس نے دلاسا دیا اور بولا ''تو فکر نہ کر میں نے تیری جان بچانے کی ایک ترکیب سوچی ہے۔''

آخر مبارک مجھے ایک مکان میں لے گیا اور وہاں جا کر ایک گڑھا کھودا۔ میں سمجھا کہ مجھے مار کر دبانے کی تیاریاں ہیں۔ تھوڑی دیر میں اس نے مجھے پاس بلایا' میں ڈرتا ڈرتا نزدیک گیا' دیکھا کہ ایک کھڑکی ہے جس میں تالا پڑا ہے۔ وہ مجھے اندر لے گیا۔ دیکھا کہ اندر چار مکان ہیں۔ ہر ایک میں دس دس مٹکے سونے کی زنجیروں سے لٹک رہے ہیں۔ ہر ایک کے منہ پر سونے کی اینٹ رکھی ہے اور اس پر جڑاؤ بندر بنا رکھا ہے۔ بندروں کی کل تعداد انتالیس ہے۔ ایک کو کھول کے دیکھا تو پتہ چلا کہ منہ تک اشرفیوں سے بھرا ہوا ہے۔ ایک حوض نظر آیا جو جواہرات سے بھرا تھا۔

میں نے مبارک سے پوچھا ''یہ سب کیا طلسم ہے؟''

وہ بولا: ''تمہارے والد نے جنوں کے بادشاہ ملک صادق سے دوستی کی تھی۔ وہ ہر مہینے قیمتی تحفے لے کر جنوں کے بادشاہ کے پاس جاتے اور ایک بندر لے کر آتے۔''

www.pakistanipoint.com

ایک دن میں نے پوچھا: ''آپ بڑے بڑے قیمتی تحفے لے جاتے ہیں اور بدلے میں زمرد کا ایک بندر لے آتے ہیں۔ یہ بندر آخر کس کام کے؟''

بادشاہ نے فرمایا: ''خبردار! یہ راز ہرگز کسی کو نہ بتانا' مگر سن۔ ان میں سے ہر بندر کے تابع ایک ہزار دیو ہیں' مگر جب تک ان کی گنتی چالیس نہ ہو یہ سب نکمے اور بیکار ہیں۔ ابھی ان کی گنتی انتالیس تھی کہ جہاں پناہ اس دنیا سے سدھارے۔ اب میں ایک ترکیب سے تجھے ملک صادق کے پاس لے جا رہا ہوں۔ شاید وہ ترس کھا کے چالیسواں بندر عنایت کر دے اور تیرا کام بن جائے۔''

مبارک نے بادشاہ سے کہا: شہزادے کو اگر یہاں مارتا ہوں تو اس میں تمہاری بدنامی ہے۔ میں اسے دور جنگل میں لے جاؤں گا اور وہیں مار کر دبا دوں گا۔''

بادشاہ یہ سن کر خوش ہوا اور بولا: ''جہاں جی چاہے اسے لے جا' مگر کسی طرح وہ کانٹا نکال دے جو میرے دل میں کھٹک رہا ہے۔ اس کام کے لئے میں تجھے بھاری انعام دوں گا۔''

بادشاہ سے اجازت لے کر مبارک مجھے لے کر جنگل میں میلوں دور چلا گیا۔ ایک دن بولا کہ ''لو اب جنوں کی بستی آ گئی۔''

میں نے کہا: ''مجھے تو کچھ نظر نہیں آیا۔''

یہ سن کر مبارک نے ایک ڈبیا نکالی اور میری آنکھوں میں سلیمانی سرمہ لگا دیا۔ اب جو دیکھتا ہوں تو دور تک جنوں کی قناطیں لگی تھیں۔ سارا علاقہ جنوں سے بھرا ہوا تھا۔ سب خوب صورت اور عربی لباس پہنے ہوئے تھے۔

آخر شاہی خیمے میں پہنچے' دیکھا کہ ہر طرف روشنی کا بندوبست ہے۔ کرسیاں سلیقے سے رکھی ہوئی ہیں۔ عالم فاضل، درویش، امیر، وزیر، میر بخشی دیوان سب اپنی اپنی جگہ بیٹھے ہیں۔ خادم ہاتھ باندھے کھڑے ہیں اور بیچ میں بادشاہ ایک جڑاؤ تخت پر موتیوں کا تاج

www.pakistanipoint.com

پہنے تکیے لگائے بڑی شان سے بیٹھا ہے۔ میں نے جھک کر سلام کیا۔ اُس نے محبت سے جواب دیا' بیٹھنے کا حکم کیا۔ پھر دستر خوان بچھا۔ فارغ ہو کر بادشاہ نے مبارک سے میرا حال پوچھا۔

مبارک نے کہا: ''اب اس کے باپ کی جگہ اس کا چچا بادشاہت کرتا ہے اور اس کی جان کا دشمن ہوا ہے۔ اس لئے میں اسے ظالم کے چنگل سے نکال لایا ہوں۔ سلطنت اس کا حق ہے مگر بغیر کسی کی سرپرستی کے وہ ہاتھ آ نہیں سکتی۔ اگر آپ اس یتیم کو سہارا دیں تو سب کچھ ممکن ہے۔ اسے وہ چالیسواں بندر مل جائے تو یہ اپنا حق لے سکے گا۔''

ذرا دیر تو بادشاہ سوچ میں ڈوبا رہا۔ پھر بولا: ''واقعی اس کے والد مرحوم سے ہمارے تعلقات بہت گہرے تھے۔ اب یہ بیچارہ تباہ ہو کر ہم سے مدد مانگنے یہاں تک آیا ہے' جہاں تک بن پڑے گا' ہم اس کی مدد کریں گے۔ مگر ذرا اسے آزمانا چاہتے ہیں۔ ہمارا ایک کام ہے' اگر یہ وہ کام کر دے' امانت میں خیانت نہ کرے اور امتحان میں پورا اترے تو میں اس کے باپ سے بھی زیادہ اس کی قدر کروں اور ہر طرح اس کی مدد کروں۔''

میں نے کہا: ''میں ہر خدمت کے لئے حاضر ہوں اور مجھ سے کسی طرح کی خیانت نہ ہوگی۔''

بادشاہ بولا: ''ابھی تو لڑکا ہے۔ اس لئے بار بار تاکید کرتا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو' تیرے دل میں بدی آئے اور تو آفت میں پڑے۔'' میں نے یقین دلایا کہ ہرگز ایسا نہ ہوگا۔

یہ سن کر ملک صادق نے ایک تصویر نکالی اور کہا: ''میں یہ تصویر تجھے دے رہا ہوں۔ جس کی یہ تصویر ہے اُسے ڈھونڈ نکال اور جب اُسے پائے تو کہنا کہ صادق تیرے لئے دیوانہ ہوا ہے۔ اگر تو اُسے مجھ تک لے آئے گا تو تیرا کہا مانا جائے گا' نہیں تو جیسا کرے گا ویسا پائے گا۔'' میں نے تصویر دیکھی تو غش سا آنے لگا۔ کسی بہت ہی حسین لڑکی کی تصویر تھی۔ خیر میں مبارک کو ساتھ لے کر وہاں سے چلا۔ گاؤں گاؤں' بستی بستی' شہر شہر اُسے ڈھونڈنے لگا۔ ہر

www.pakistanipoint.com

جگہ پوچھتا اور کوئی نہ بتاتا کہ اسے دیکھا ہے۔ سات برس یہی ہوتا رہا۔

ایک دن میرا گزر ایک ایسی بستی میں ہوا جہاں ہر آدمی اللہ سے توبہ کرتا پھرتا تھا۔ وہاں ایک ہندوستانی فقیر کو دیکھا جو بھیک مانگتا پھر رہا ہے' مگر نہ تو کوئی اسے ایک کوڑی دیتا ہے اور نہ روٹی کا ایک نوالہ۔ مجھے حیرت بھی ہوئی اور اس کے حال پر رحم بھی آیا۔ جیب سے ایک اشرفی نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دی۔ وہ دعائیں دینے لگا۔ بولا: ''اے داتا! خدا تیرا بھلا کرے۔ شاید تو مسافر ہے۔ یہاں کا رہنے والا نہیں۔''

میں نے کہا: ''ہاں سچ کہتے ہو۔ سات برس سے ایک کام کے لئے آوارہ پھر رہا ہوں' مگر وہ کام نہیں بنتا۔ آج تمہارے شہر میں آ نکلا ہوں۔''

وہ بوڑھا دعائیں دیتا چلا گیا۔

میں بھی اس بوڑھے کے پیچھے پیچھے چلتا گیا۔ شہر کے باہر ایک عالی شان مکان نظر آیا۔ وہ بوڑھا اس کے اندر چلا گیا۔ میں بھی پیچھے گیا۔ دیکھا کہ عمارت جگہ جگہ سے گری پڑی ہے اور مدتوں سے مرمت نہیں ہوئی۔ میں نے دل میں سوچا کہ یہ محل تو بادشاہوں کے لائق ہے۔ جب بنا ہوگا تو اس کی شان کیا رہی ہوگی۔ جانے اب یہ کیوں اجڑا پڑا ہے اور یہ فقیر اس میں کیوں بستا ہے۔ وہ بوڑھا لاٹھی ٹیکتا چلا جا رہا تھا۔

اتنے میں کسی کی آواز آئی: ''کیوں ابا! خیر تو ہے' آج اتنے سویرے کیوں لوٹ آئے؟'' بوڑھے نے جواب دیا: ''بیٹی! آج خدا نے ایک مسافر کو مجھ پر مہربان کیا۔ اس نے مجھے ایک اشرفی دی۔ بہت دنوں سے پیٹ بھر کے کھانا نہ کھایا تھا۔ اس لئے گوشت' مسالا' گھی' تیل' آٹا' نمک خرید لایا ہوں۔ تیرے لئے کپڑا بھی لایا ہوں۔ کسی کام کے لئے وہ سخی سات برس سے آوارہ پھرتا ہے۔ مجھے اس کا مطلب تو معلوم نہیں' مگر اللہ سب جاننے والا ہے۔ آ اس کے لئے دعا کریں۔ شاید خدا ہم بے کسوں کی دعا قبول کر لے۔''

www.bookstadelhi.com

مجھے اس کے حال پر بہت ترس آیا۔ جی چاہا کہ بیس اشرفیاں اور دوں۔ اتنے میں اس آواز کی طرف نظر اُٹھ گئی۔ ایک لڑکی دکھائی دی۔ صورت بالکل ویسی ہی تھی جیسی تصویر مجھے جنوں کے بادشاہ نے دی تھی۔ اُسے دیکھ کر میں بے ہوش ہو گیا۔ مبارک نے مجھے سنبھالا اور ہوا کرنے لگا۔ ہوش آیا تو نظر پھر اسی طرف اُٹھی۔

اس لڑکی نے کہا: ''اے جوان! شرم کر، کسی غیر لڑکی کو کیوں تکتا ہے۔''

میں نے اس کی آواز سنی تو حالت اور بھی بگڑی۔ میں نے کہا: ''اس مکان کے رہنے والو! مجھ پر رحم کرو۔'' اس بوڑھے نے میری آواز پہچان کر اندر بلایا اور گلے لگا لیا۔

بوڑھے نے مجھ سے پوچھا: ''آخر تو کس کام کے لئے سات برس سے مارا مارا پھرِ ہے؟''

میں نے ملک صادق کا نام نہ لیا۔ صرف اتنا کہا کہ ''میں چین ماچین کا بادشاہ ہوں۔ میرے باپ نے ایک سوداگر سے لاکھوں روپے میں یہ تصویر لی تھی۔ اسے دیکھ کر میں دیوانہ ہو گیا اور اس کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ فقیر کے بھیس میں گاؤں گاؤں، بستی بستی، نگر نگر گھوما۔ آج تمہارے گھر میں اس کی صورت دیکھی جس کی تلاش میں گھر بار چھوڑا اور برباد ہوا۔ اب تم چاہو تو میرے دل کی مراد پوری ہو۔''

یہ بات سن کر بوڑھا رو دیا۔ کہنے لگا: ''اے عزیز! میری لڑکی بڑی مصیبت میں گرفتار ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ اس سے شادی کر سکے۔''

میں نے کہا: ''پوری بات کہو تو کچھ سمجھ میں آئے۔''

وہ بولا: ''اے بادشاہ زادے! کبھی میں اس شہر کا بڑا نامی گرامی رئیس تھا۔ اللہ نے مجھے یہ بیٹی دی۔ جب اس نے ہوش سنبھالا تو دور دور تک اس کی خوبصورتی کا چرچا ہوا۔ شہزادے نے تعریف سنی تو اس پر بن دیکھے فریفتہ ہو گیا۔ کھانا پینا چھوڑ دیا۔

بادشاہ کو خبر ہوئی تو اس نے مجھے بلایا۔ بڑی محبت سے بٹھایا اور رشتے کی بات کی۔ میں

www.pakistanipoint.com

نے سوچا اللہ نے بیٹی دی ہے تو اس کے لئے رشتہ تو ڈھونڈنا ہی ہے۔ شہزادے سے شادی ہو جائے تو کیا حرج ہے۔ بادشاہ بھی احسان مند ہوگا۔ میں راضی ہو گیا۔ شادی کی تیاری دونوں طرف ہونے لگی۔ دن مقرر ہوا۔ آخر نکاح کا دن آیا۔ رئیس، امیر، وزیر سب جمع ہوئے۔ قاضی نے نکاح پڑھایا اور اسے رخصت کیا گیا۔

شہزادہ دلہن کے کمرے میں داخل ہوا تو بڑا زبردست شور ہوا۔ کسی کی کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ سب دوڑ پڑے مگر دروازہ اندر سے بند تھا۔ بڑی مشکل سے دروازہ توڑا گیا تو دیکھا شہزادے کا کٹا ہوا سر خاک میں تڑپ رہا ہے۔ دلہن الگ پڑی تڑپ رہی ہے۔ بادشاہ کو خبر ہوئی تو سر پیٹتا ہوا دوڑا۔ عالم فاضل سبھی جمع ہوئے مگر کسی کی کچھ سمجھ میں نہ آیا۔

بادشاہ نے غصے میں حکم دیا کہ "اس منحوس لڑکی کا سر کاٹ لو۔"

جوں ہی یہ بات اُس کے منہ سے نکلی پھر اسی طرح کا شور ہوا۔ بادشاہ ڈر کے بھاگ نکلا۔ اس لڑکی کو میرے گھر پہنچا دیا گیا۔ اُس دن سے سب میری جان کے دشمن ہو گئے۔

چہلم کے بعد بادشاہ نے اپنے وزیروں اور امیروں سے پوچھا کہ اب کیا ہونا چاہیے۔ انہوں نے کہا: "اب اور تو کچھ ہو نہیں سکتا۔ دل کی تسلی اور صبر کے واسطے اس لڑکی کو باپ سمیت مروا ڈالئے۔ ان کا گھر بار سب ضبط کر لیجئے۔ یہ سزا طے پا گئی تو کوتوال کو حکم ہوا کہ اس پر عمل کیا جائے۔ اس نے اپنے آدمیوں کے ساتھ آ کر میری حویلی کو گھیر لیا۔ جب ان لوگوں نے اندر گھسنے کی کوشش کی تو ان پر آسمان سے پتھر برسنے لگے۔ سب سپاہی اِدھر اُدھر بھاگ گئے۔

اُدھر بادشاہ سے کسی نے کڑک دار آواز میں کہا: "خبردار! جو ان دونوں کو ستائے گا تو کڑی سزا پائے گا۔" ڈر کے مارے بادشاہ کو بخار چڑھا اور حکم دیا کہ ان دونوں کو کوئی کچھ نہ کہے۔

اس دن سے اس شہر کے سب آدمی ڈرے سہمے رہتے ہیں۔ تعویز گنڈے کراتے ہیں

PakistaniPoint
www.pakistanipoint.com

اور ہر وقت خدا سے توبہ کرتے رہتے ہیں' مگر کسی کو یہ معلوم نہیں کہ کیا بھید ہے۔ میں نے اس لڑکی سے ایک بار پوچھا کہ "تو نے کیا دیکھا تھا۔" تو اُس نے بتایا کہ "اور تو میں کچھ نہیں جانتی لیکن جب شہزادہ کمرے میں داخل ہوا تو زور کا شور ہوا۔ کمرے کی چھت پھٹ گئی۔ اُس راستے سے ایک تخت اندر داخل ہوا۔ اس پر ایک خوبصورت جوان بیٹھا تھا' جو لوگ اس کے ساتھ تھے' ان کی شکلیں تو آدمیوں کی سی تھیں مگر پاؤں بکریوں جیسے تھے۔ میرا دل دھڑکنے لگا اور ڈر کے بے ہوش ہوگئی۔ پھر مجھے خبر نہیں کہ کیا ہوا۔"

اس دن سے میرا یہ حال ہوا کہ اس ٹوٹے پھوٹے مکان میں پڑا ہوں۔ بھیک مانگتا ہوں تو کوئی کوڑی نہیں دیتا۔ سب میرے سائے سے ڈرتے ہیں۔ لڑکی کے تن پر کپڑا نہیں۔ اللہ نے تیرے دل میں رحم ڈالا کہ تو نے ہماری مدد کی۔ میں نے کپڑا بھی خریدا اور کھانے کا سامان بھی۔ یہ مشکل ہے۔ نہیں تو میں اپنی بیٹی کو تیری لونڈی بنا دیتا اور تیری خدمت کر کے خوش ہوتا۔ اب تو اپنا راستہ لے اور میرے پیچھے مت پڑ۔"

میں نے یہ ماجرا سنا اور اس کی بہت خوشامد کی کہ مجھے اپنی فرزندی میں قبول کر۔ میری قسمت میں جو لکھا ہوگا' ہو کر رہے گا' مگر وہ کسی طرح نہ مانا۔ مبارک نے بھی اپنا ساز ور لگایا مگر بات نہ بنی۔ رات بھر نیند نہ آئی اور عجب اُدھیڑ پن میں رہا۔ سوچتا رہا کہ اگر بوڑھا راضی ہو بھی گیا تو کیا ہوگا۔ یہ لڑکی مجھے جی سے پسند ہے اور اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن ایسا کیا تو وہی ہوگا جو دوسرے شہزادے کے ساتھ ہوا اور اسے لے جا کے ملک صادق کو دے دوں' اس کے لئے دل نہیں مانتا تھا۔

خیر یہ سوچ کے سو گیا کہ پہلے بوڑھا تو راضی ہو۔ اگلے دن میں طرح طرح کا سامان لے کے اس کے گھر گیا۔ اس نے دعائیں دیں' مگر بات وہی کہی کہ تجھے بیٹی دوں تو مطلب یہ ہوگا کہ بھلائی کے بدلے برائی کروں۔ یہ مجھ سے ہو نہیں سکتا۔ میں نے کہا: "میں تو برباد

www.pakistanipoint.com

ہو چکا ہوں۔ اب ایک بار دل کی تمنا نکلنے دو' جو ہونا ہوگا' ہو کر رہے گا۔"

اسی طرح ایک مہینہ گزر گیا۔ اس میں وہ بیمار پڑا اور میں نے اس کی بہت خدمت کی۔

ایک دن وہ بوڑھا میری خدمت سے خوش ہو کے بولا: "تو نہیں مانتا تو آج میں اپنی بیٹی سے بات کروں گا۔ دیکھوں وہ کیا کہتی ہے۔"

میں خوشی سے باولا دیوانہ ہو گیا۔ ساری رات نیند نہ آئی۔ صبح ہی صبح اُس کے پاس جا پہنچا۔ سلام کیا۔ وہ بولا کہ "لو اپنی بیٹی ہم نے تم کو دی۔ خدا مبارک کرے' مگر جب تک میرے دم میں دم ہے' میری آنکھوں کے آگے رہنا۔ میرے بعد جو چاہو کرنا اور جدھر چاہو جانا۔"

کچھ دنوں بعد اس بوڑھے کا انتقال ہوا تو مبارک اس کی لڑکی کو کارواں سرائے میں لے آیا۔ میں نے اپنے دل کی بات اس سے کہی کہ میں تو اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں' مگر ملک صادق سے ڈرتا ہوں۔ مبارک سوچ میں پڑ گیا۔ پھر بولا: "تو فکر مت کر میں ایک تدبیر کرتا ہوں۔ میرے پاس ایک روغن ہے' وہ اس لڑکی کے بدن سے مل دوں گا۔ اس کی وجہ سے صادق اس سے نفرت کرنے لگے گا۔

میں یہ سن کر بہت خوش ہوا۔ آخر مبارک نے اس کے بدن پر روغن مل دیا اور ہم تینوں جنوں کی بستی کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب اُن کا علاقہ قریب آیا تو جنوں کا ایک لشکر ملا۔ بادشاہ نے ایک پوری فوج ہمارے استقبال کے لئے بھیجی تھی۔ ہم بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس نے بڑی عزت سے مجھے اپنے پاس بٹھایا۔ بولا: "میں تجھ سے ایسا سلوک کروں گا کہ آج تک کسی نے کسی کے ساتھ نہ کیا ہوگا۔ بادشاہت تو تیرے باپ کی موجود ہے ہی۔ اس کے علاوہ اب تو میرے بیٹے کی جگہ ہوا۔

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ وہ لڑکی سامنے آئی۔ اس روغن کی بو سے صادق کا برا حال ہو

www.pakistanipoint.com

گیا۔ برداشت نہ کر سکا تو اُٹھ کر باہر چلا گیا پھر ہم دونوں کو بلوایا۔ مبارک سے بولا: ''آخر تو نے وہی کیا جس کا ڈر تھا اور امانت میں خیانت کی۔'' پھر غصے سے میری طرف دیکھا اور جو منہ میں آیا، بکنے لگا۔ ایسا لگتا تھا کہ ابھی مجھے جان سے مار ڈالے گا۔''

میں نے غصے میں آ کر خنجر نکالا اور صادق کی توند میں گھونپ دیا۔ وہ چکرا کے زمین پر گرا۔ میں سمجھا کہ یہ ختم ہوا مگر وہ زمین میں لوٹ کر گیند کی شکل بن گیا اور آسمان کی طرف اُڑ چلا۔ آخر اونچا ہوتے ہوتے نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ پل بھر کے بعد بجلی کی طرح کڑکتا اور غصے سے گرجتا نیچے آیا اور مجھے ایسی لات ماری کہ میں چکرا کے چاروں شانے چت گر پڑا۔

ہوش آیا تو دیکھا کہ ایک جنگل بیابان میں ہوں، جہاں نہ آدم ہے، نہ آدم زاد۔ ہر طرف کنک پتے اور جھر بری کے درخت ہیں۔ میں زندگی سے مایوس ہو گیا۔ اس حد تک بے بس ہو گیا کہ یہیں ایڑیاں رگڑ رگڑ کے مر جاؤں گا۔ آخر ایک دن گھبرا کے میں ایک پہاڑ کے اوپر چڑھ گیا۔ سوچا کہ یہاں سے گر کر جان دے دوں۔ اتنے میں وہی برقع پوش سوار تشریف لائے۔ فرمانے لگے: ''تو خواہ مخواہ کیوں اپنی جان کے پیچھے پڑا ہے۔ آدمی پر مصیبت بھی پڑتی ہے، مگر اس کی رحمت سے مایوس ہونا مناسب نہیں۔ اب تیرے برے دن گئے۔ اچھے دن آئے۔ جلدی روم کی طرف جا۔ تجھ سے پہلے تین آدمی اُدھر گئے ہیں۔ ان سے مل اور وہاں کے سلطان کی خدمت میں حاضر ہو۔ تم پانچوں کے کام ایک ساتھ ہی بنیں گے۔''

یہ سن کے میں یہاں حاضر ہوا ہوں۔ اللہ نے چاہا تو اب سب کی مرادیں پوری ہوں گی۔

☆☆☆

چوتھے درویش نے اپنی داستان ختم کی ہی تھی کہ محل سے ایک آدمی دوڑا ہوا آیا اور مبارک باد دی کہ بادشاہ کے ہاں بیٹا پیدا ہوا ہے۔ خوشی کے مارے بادشاہ کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ چاروں درویش بھی اس خبر سے خوش ہوئے اور انہوں نے بھی دعا دی کہ ''تیرا

www.pakistanipoint.com

گھر آباد رہے۔اس کا قدم مبارک ہو۔تیرے سائے میں پرورش پائے۔"

بادشاہ نے کہا:"یہ سب تمہارے قدموں کی برکت ہے۔میں تو مایوس ہو گیا تھا۔"

پھر درویشوں سے اجازت لے کر بادشاہ محل میں گیا اور شہزادے کو گود میں لے کر کلیجے سے لگایا۔ پھر اسے گود میں لے کر باہر آیا اور اُسے درویشوں کے قدموں میں ڈال دیا۔ انہوں نے دعائیں پڑھ کر اُس پر دم کیا۔ بادشاہ نے بڑا جشن منایا۔ نقارے بجنے لگے۔ خزانوں کے منہ کھل گئے۔امیروں' وزیروں کو جاگیریں عطا ہوئیں۔غریبوں کو مالا مال کر دیا گیا۔ ہر طرف ناچ رنگ کی محفلیں جم گئیں۔

ابھی خوشی منائی جا رہی تھی کہ محل میں کہرام مچ گیا کہ شہزادہ غائب ہو گیا۔ ہوا یوں کہ جب اسے نہلا دھلا کر دائی کی گود میں دیا تو بادل کا ایک ٹکڑا آیا اور دائی کو گھیر لیا۔ جب بادل غائب ہوئے تو شہزادہ غائب تھا اور دائی بے ہوش پڑی تھی۔ کچھ دیر پہلے گھر گھر خوشی منائی جا رہی تھی ،اب چاروں طرف ماتم ہونے لگا۔

تیسرے دن وہی بادل پھر آیا۔ بادل چھٹا تو دیکھا کہ ایک جڑاؤ پالنے میں شہزادہ لیٹا انگوٹھا چوس رہا ہے۔ موتیوں کی مالا گلے میں پڑی ہے۔قیمتی کپڑے پہنے ہیں اور طرح طرح کے کھلونے پاس رکھے ہیں۔بس پھر کیا تھا' عید ہو گئی۔سب مارے خوشی کے واری پھیری ہونے لگے اور دعائیں دینے لگیں کہ تیری ماں کی کوکھ ٹھنڈی رہے اور بڑی عمر ہو۔

بادشاہ نے درویشوں کے لئے ایک شاندار محل بنوایا اور انہیں بڑے آرام سے رکھا۔ جب فرصت پاتے تو ان کے پاس آتے اور طرح طرح اُن کی خدمت کرتے۔اب بھی ہر نوچندی جمعرات کو بادل کا ٹکڑا آتا اور شہزادے کو لے جاتا۔ دو دن کے بعد وہ پھر آتا اور عجب عجب تحفوں کے ساتھ شہزادے کو رکھ جاتا۔ مگر یہ بھید نہ کھلتا تھا کہ آخر یہ ماجرا ہے کیا۔ اسی طرح دن گزرتے رہے اور شہزادے نے ساتویں برس میں قدم رکھا۔

www.pakistanipoint.com

سالگرہ کے دن بادشاہ نے فقیروں سے کہا: ''دوستو! یہ بھید نہیں کھلتا کہ شہزادے کو کون لے جاتا ہے؟ دیکھئے اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔''

انہوں نے کہا: ''ایک کام کرو۔ اب نوچندی جمعرات کو ایک خط لکھ کر شہزادے کے پاس رکھ دو کہ مجھے تم سے ملنے کا بڑا اشتیاق ہے۔ بادشاہ نے ایسا ہی کیا۔ جواب میں ایک خط ملا' جس میں لکھا تھا کہ ''ہمیں بھی تم سے ملنے کا بڑا اشتیاق ہے۔ آپ کے لئے ایک تخت بھیجا جا رہا ہے۔ اس پر تشریف رکھیے اور ہم سے ملاقات فرمائیے۔''

بادشاہ آزاد بخت چاروں درویشوں کو لے کر تخت پر بیٹھ گئے۔ ذرا دیر میں تخت آسمان سے باتیں کرنے لگا۔ پھر ایک عالی شان مکان میں جا اترا' مگر وہاں کوئی دکھائی نہ دیا۔ اتنے میں کسی نے سلیمانی سرمے کی سلائی پانچوں کی آنکھوں میں پھیر دی۔ ہر ایک کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دو دو بوندیں ٹپک پڑیں اور پریوں کا اکھاڑا دکھائی دیا۔ ہزاروں پریاں رنگ برنگ کے لباس پہنے گلاب پاش لئے استقبال کے لئے حاضر تھیں۔

بادشاہ آزاد بخت اور درویش آگے بڑھے تو دیکھا کہ ہزاروں پری زاد ادب سے ہاتھ باندھے کھڑے ہیں۔ بیچ میں ایک تخت زمرد کا بچھا ہے' جس پر شاہ رخ کا بیٹا ملک شہپال تکیہ لگائے بڑی آن بان سے بیٹھا ہے۔ سامنے ایک پری زاد لڑکی شہزادے کے ساتھ کھیل رہی ہے' پتہ چلا کہ اس کا نام شہزادہ بختیار رکھا گیا ہے۔

بادشاہ کو دیکھتے ہی ملک شہپال اُٹھ کر اس سے گلے ملا۔ تخت پر اپنے برابر اُسے جگہ دی ، بڑی خاطر مدارات کی۔ پھر درویشوں کو ساتھ لانے کا سبب پوچھا۔ بادشاہ نے تفصیل سے سب کی داستان سنائی اور کہا کہ ''یہ سب مصیبتوں کے مارے اور زمانے کے ستائے ہوئے ہیں۔ اگر تمہاری توجہ ہو تو ان سب کی مراد بر آئے۔''

ملک شہپال نے مدد کا وعدہ کیا۔ پھر ان جنوں کو خط لکھے جو چاروں طرف کے سردار تھے

اور حکم دیا کہ جو جو آدم زاد غائب ہیں' ان سب کو لے کر حاضر ہوں۔ اگر کسی نے حکم نہ مانا تو سخت سزا پائے گا۔

اس کام سے فارغ ہو کر پھر اِدھر اُدھر کی باتیں شروع ہوئیں۔ ملک شہپال درویشوں سے مخاطب ہو کر بولا: ''مجھے بھی اولاد کی بڑی آرزو تھی اور میں نے عہد کیا تھا کہ جس دن میرے اولاد ہوگی۔ اس دن انسانوں کے جس بادشاہ کے یہاں اولاد ہوگی۔ اُسی سے اس کی شادی کروں گا۔ میرے بیٹی پیدا ہوئی تو میں نے معلوم کرایا کہ کسی بادشاہ کے اُس دن بیٹا ہوا ہے یا نہیں۔ معلوم ہوا کہ بادشاہ آزاد بخت کو اللہ نے ایک بیٹا دیا ہے۔ میں نے طے کر لیا کہ اسے اپنا داماد بناؤں گا۔

مجھے اس شہزادے سے اتنی محبت ہوگئی ہے کہ ہر مہینے اُسے بلا کے دو ایک دن دیکھ کر اپنا کلیجہ ٹھنڈا کر لیتا ہوں۔ اب چاہتا ہوں کہ یہ رشتے کی بات پکی ہو جائے۔ آزاد بخت نے کہا کہ ''بیٹا آپ ہی کا ہے جو مناسب ہو کیجئے۔''

پانچ سات دن میں گلستان ارم' کوہستان اور جزیروں کے بڑے بڑے بادشاہ جنہیں ملک شہپال نے طلب کیا تھا' حاضر ہوئے۔ پہلے ملک صادق کو حکم دیا گیا کہ تیرے پاس جو لڑکی ہے' اسے حاضر کر' اسے مجبور ہو کر حکم ماننا پڑا۔ پھر ولایت عمان کے بادشاہ کو حکم دیا کہ وہ جن شہزادی جس کے لئے نیم روز کا شہزادہ دیوانہ ہوا تھا' حاضر کی جائے۔ پہلے تو اُس نے حیلے بہانے کئے۔ پھر مجبور ہو کر حکم مانا اور اسے حاضر کر دیا۔

جب بادشاہ فرنگ کی بیٹی اور بہزاد خاں کے بارے میں پوچھا تو سب حضرت سلیمانؑ کی قسمیں کھانے لگے۔ جب دریائے قلزم کے بادشاہ سے پوچھا تو وہ سر نیچا کر کے چپ رہا۔ ملک نے کچھ دھونس دی کچھ سمجھایا تو بولا: ''بادشاہ سلامت! حقیقت یہ ہے کہ جب بادشاہ اپنے بیٹے کو لینے دریا کنارے تک آیا تو میں اس وقت سیر کر رہا تھا۔ میرے دیکھتے دیکھتے

www.pakistanipoint.com

پہلے شہزادے نے اور پھر شہزادی نے اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔ میری نظر شہزادی پر پڑی تو اس پر فریفتہ ہو گیا۔ میں نے پری زادوں کو حکم دیا کہ شہزادی کو گھوڑے سمیت لے آؤ۔ بہزاد خاں نے شہزادی کو ڈوبتے دیکھا تو وہ بھی دریا میں کود پڑا۔ مجھے اس کی بہادری اور جاں نثاری بہت پسند آئی۔ میں نے اس کو بھی پکڑوا لیا۔ دونوں صحیح سلامت میرے پاس موجود ہیں۔ پھر دونوں کو بلوا کر حاضر کر دیا۔

شام کی شہزادی کے لئے سب ہی سے پوچھا گیا مگر اِس کا کہیں پتہ نہ چلا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ ''کوئی اس وقت غیر حاضر تو نہیں؟''

معلوم ہوا کہ ایک جادوگر نے جادو سے کوہ قاف میں ایک قلعہ بنایا ہے اور اس کے غرور میں حاضر نہیں ہوا۔ بادشاہ نے فوراً اس کو گرفتار کرنے کے لئے فوج روانہ کی۔

دو چار دن میں فوج اُسے شکست دے کر رسیوں میں جکڑ لائی اور بادشاہ کے سامنے پیش کر دیا۔ مگر اس نے کسی طرح اقرار نہ کیا۔ آخر غصے میں آ کر بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کی کھال کھینچ کر بھس بھر دو۔ پھر ایک لشکر اس قلعے کی تلاشی کے لِئے بھیجا۔ آخر شہزادی وہیں سے نکلی۔

اس طرح سارے قیدی آزاد ہو گئے اور انہوں نے بادشاہ کو دعائیں دیں۔ چاروں فقیر بھی بادشاہ کے انصاف کے قائل ہوئے اور اس کی ترقی کے لئے دعائیں کرنے لگے۔ بادشاہ آزاد بخت بھی بہت خوش ہوا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ مردوں کو دیوان خاص میں اور عورتوں کو زنانے محل میں رکھا جائے۔ پھر سارے شہر کو سجانے کا حکم دیا۔ حکم کی دیر تھی کہ سارا محل سج کر دلہن بن گیا۔

مبارک گھڑی دیکھ کر شہزادہ بختیار کا نکاح شہپال کی بیٹی روشن اختر سے کر دیا گیا۔ یمن کے شہزادے اور دمشق کی شہزادی کی شادی کرا دی گئی۔ فارس کے شہزادے کا بصرے کی

www.pakistanipoint.com

شہزادی سے نکاح ہوا۔ عجم کے شہزادے کی شادی فرنگ کی شہزادی سے ہوئی۔ بہزاد خاں کے حصے میں نیم روز کی شہزادی آئی اور شہزادہ نیم روز کو جن شہزادی عطا کی گئی۔ چین کے شہزادے کی شادی اس بوڑھے کی بیٹی سے ہوئی جو ملک صادق کے قبضے میں تھی۔

اس طرح سب نے اپنی اپنی مراد پائی۔ چالیس دن تک شاندار جشن منایا گیا۔ آخر ملک شہپال نے ہر ایک کو تحفے تحائف اور ساز و سامان کے ساتھ اپنے اپنے وطن کو رخصت کیا۔ سب خیریت سے اپنے اپنے ملک جا پہنچے اور راج کرنے لگے۔ مگر بہزاد خاں اور یمن کا شہزادہ اپنی خوشی سے آزاد بخت کے دربار میں رہے اور بادشاہ نے انہیں بڑے بڑے عہدے عطا کئے۔ جب تک یہ جیئے عیش کرتے رہے۔

خدا نے جیسے اِن کی مرادیں پوری کیں، سب کی مرادیں پوری کرے۔

☆☆☆

www.pakistanipoint.com

www.pakistanipoint.com